مجلس ادارت

ر نذیر احمد، علی گڈھ ۲۔ مولانا سید محمد رابع ندوی، لکھنؤ

ابو محفوظ الکریم معصومی، کلکتہ ۴۔ پروفیسر مختار الدین احمد، علی گڈھ

۵۔ ضیاء الدین اصلاحی (مرتب)

معارف کا زر تعاون

وستان میں سالانہ ۱۲۰/ روپے فی شمارہ ۱۲/ روپے

ستان میں سالانہ ۳۰۰/ روپے

ر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس ۲۵ پونڈ یا چالیس ۴۰ ڈالر

بحری ڈاک نو ۹ پونڈ یا چودہ ۱۴ ڈالر

ستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ، شیر ستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

ی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMG

الہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ

اطلاع۔ ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد

ن نہ ہو گا۔

کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

ت کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

شن ۲۵ فیصد ہو گا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۲ ماہ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق ماہ اگست ۲۰۰۳ء عدد ۲

فہرست مضامین

شذرات — ضیاء الدین اصلاحی — ۸۲-۸۴

مقالات

سورۂ تکویر کے اسرار و عجائب — مولانا شہاب الدین ندوی مرحوم — ۸۵-۱۰۴

بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب — جناب فخر عالم صاحب — ۱۰۵-۱۱۸

مصر میں عربی صحافت کا ارتقا — ڈاکٹر محمد طارق قاسمی صاحب — ۱۱۹-۱۲۴

تبرکات کا ثبوت — مولانا محمد سعید مجددی صاحب — ۱۲۵-۱۲۹

علی گڑھ کے سفر کی جسمانی و علمی فتوحات — مولانا وارث ریاضی صاحب — ۱۳۰-۱۳۸

اخبار علمیہ — ک۔ ص اصلاحی — ۱۳۹-۱۴۱

معارف کی ڈاک

مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کے دو خطوط — ڈاکٹر ظفر الدین صاحب — ۱۴۲-۱۴۳

وفیات

جناب سید ہاشم علی اختر — "ض" — ۱۴۴-۱۴۷

ڈاکٹر ابن فرید — "ض" — ۱۴۷-۱۵۰

جناب ابو الفیض سحر — "ض" — ۱۵۰-۱۵۲

ادبیات

دو غزلہ — جناب وارث ریاضی صاحب — ۱۵۳-۱۵۴

مطبوعات جدیدہ — ع۔ ص — ۱۵۵-۱۶۰

شذرات

ہا تھا کہ اس وقت بابری مسجد کا مسئلہ بڑے زور شور سے اٹھایا گیا ہے، یہ کی ملاقات، خط وکتابت اور فارمولا (جو سرے سے فارمولا کہے جانے ڑیاں ہیں اور اب یہ بالکل ڈھکا چھپا نہیں رہا کہ اس پردۂ زنگاری میں ں میں شنکر اچاریہ یہ کوششیں فرما رہے تھے مگر خیر اب تو یہ قصہ ختم ہوگیا اور نے بالاتفاق بہ جا طور پر اسے مسترد کردیا جس کے بعد یہ بحث بند ہوجانی تولائی تک سربستہ راز رکھ کر کیوں قوم وملک کو شش وپنج میں رکھا گیا، بنیاد پر اسی وقت کیوں نہیں رد کردیا گیا، لیکن بعض باتوں پر اگر واقعی سلمانوں کا یہ سب سے باوقار، معتبر اور قابل اعتماد ادارہ اپنی ساکھ لت کے مفاد میں ہم یہ قصۂ درد سنانے کے لیے مجبور ہیں۔

و توحید میل نے اپنی ۱۵ رجولائی کی اشاعت میں لکھا ہے کہ ''کہا جاتا م پاکر حضرت مولانا اتنا سرور میں آئے کہ یہ فتویٰ لینے پر تیار ہوگئے آبرو کی حفاظت کے لیے مسجد کا منتقل کیا جانا جائز ہے'' معاصر نے یہ ن کو حضرت مولانا کی خدمت قدسی درجت میں ایک عریضہ بھیجا تھا ب صدر مولانا کلب صادق اور بورڈ کے ایک ممبر ظفریاب جیلانی رف سے اس خبر کو رد نہیں کیا گیا، راقم سے علی گڑھ میں بورڈ کے ایک ظہار خیال فرمایا تھا، اگر یہ خیال پہلے سے تھا تو دس بارہ برس تک وقت، ں قضیے میں کیوں کھپائی گئی اور اگر اچاریہ شنکر جی کے کرم نامے کو اس ذان یا منتقل کردینے سے واقعی مسلمانوں کا لہو مانند آب ارزاں نہیں ے معنوی وجود اور تمام مساجد کو تحفظ مل جائے گا اور روز روز کے فتنے

نے کہا ب مجھے   ہوتا ہے موج آب پہ دھوکا سراب کا

ابھی شنکر اچاریہ اور ان کے مکتوب یا فارمولا کا تکلیف دہ چکر ختم نہیں ہوا تھا کہ حضرت مولانا کی خدمت میں قومی اقلیتی کمیشن کے چیرمین ترلوچن سنگھ اپنے لاؤلشکر سمیت پہنچ گئے، وہ چاہے بی جے پی کی تلاش و دریافت کا نتیجہ نہ ہوں، بی جے پی تو اقلیتی کمیشن کے تقرر ہی کے خلاف تھی لیکن ترلوچن سنگھ نے اس کے نزدیک اپنی ایسی اچھی شبیہ بنائی ہے کہ لکھنؤ کے سفر کے بعد انہیں انعام سے نوازا گیا، اس کے برعکس اقلیتوں میں ان کی شبیہ بالکل اچھی نہیں، ان سے عام شکایت یہ ہے کہ وہ اپنے دائرے سے متجاوز اور اپنا اصل کام کرنے کے بجائے حکومت کے مفاد میں کام کررہے ہیں، گجرات فساد اور ترشول کے تقسیم کے معاملے میں ان کا یہ رویہ کھل کر سامنے آچکا ہے، ان کے اسی رویے کی بنا پر کمیشن نے ۳ رجون ۲۰۰۳ء کو دہلی میں مدرسہ نصاب پر نظر ثانی کی غرض سے جو میٹنگ بلائی تھی، مغربی بنگال کی حکومت نے اس کا بائیکاٹ کیا تھا اور وزیر اقلیتی امور محمد سلیم نے کہا تھا کہ چیرمین کو اس طرح کی میٹنگ بلانے کا کوئی حق نہیں، تعلیم ریاستی سبجیکٹ ہے اور مدرسہ کے نصاب کا فیصلہ ریاستی حکومت یا مدرسہ بورڈ کرے گا، کمیشن اس طرح کی میٹنگ بلاکر اپنے دائرے سے تجاوز کررہا ہے اور اپنا کام نہیں کررہا ہے، غیر ضروری اور متنازعہ کام کرکے سنگھ پریوار کے ایجنڈے پر کام کررہا ہے، ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں، میں نے ریاستی وزیر پرائمری سکنڈری تعلیم کانتی بسواس سے اس سلسلے میں بات کی ہے اور فیصلہ یہ کیا گیا کہ ریاستی حکومت کا کوئی نمائندہ کمیشن کی ۳ رجون کی میٹنگ میں شرکت نہیں کرے گا۔

اب ترلوچن سنگھ لکھنؤ آئے تو سماج وادی پارٹی کے کونسل میں اپوزیشن لیڈر احمد حسن نے کہا کہ وہ اپنے اصل مقاصد سے ہٹ کر نہ صرف بھاجپا سیل کے طور پر حکومت کا کام کررہے ہیں بلکہ کمیشن نے راج دھانی کا جو دورہ کیا اس میں بھی غلط بیانی کرکے اتر پردیش حکومت کو بچانے کا کام کیا ہے، اقلیتی کمیشن اور مسلمانوں کی نمائندگی کے نام پر جو نصف درجن مسلم لیڈران خفیہ سازش کرکے اجودھیا معاملے میں سودے بازی کا کام کررہے ہیں ان کی پارٹی ایسے لوگوں کو جلد ہی بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کالے کارناموں کا دستاویز بھی عوام کے سامنے پیش کرے گی، اتر پردیش مسلم مجلس کے دو لیڈروں نے ان کی آمد کو مسلمانوں خصوصاً مدارس کے لیے نامبارک قرار دیتے ہوئے یہ کہا کہ وہ اتر پردیش کی راج دھانی میں خود نہیں آئے تھے بلکہ وزیر اعظم اور نائب وزیر اعظم نے اس لیے بھیجا تھا کہ آیا اب بھی مسلم پرسنل لا بورڈ بابری مسجد کے معاملے

، دوسرا مقصد مایاوتی حکومت کو بچانا تھا جس کا انہیں فوراً انعام بھی مل گیا،
اور کمیشن کے چیرمین نے ملاقات کا اصل مقصد کچھ اور بتایا مگر صدر صاحب کو
ت چیت میں اجودھیا کے سوال پر کوئی سنجیدہ بات نہیں ہوئی'' اور خود چیرمین
یتی کمیشن کا تعلق مسئلہ اجودھیا سے نہیں ہے مگر دونوں فریقوں کے درمیان
لیے موافق فضا بنانے کی ہماری کوشش جاری رہنی چاہیے، مذہبی رہنماؤں کے
دھیا تنازعہ کو حل کرنے کا ذکر بھی آیا، یہ حضرات از خود تشریف لائے تھے مگر
کی صورت پیدا ہوگئی ہے، میڈیا کی کارستانیاں الگ، شیخ محمد بن زید النہیان
ی کے تعلق سے بھی اخباروں میں باتیں آئی تھیں، عرض یہ کرنا ہے کہ اجودھیا
ے ملے میں اونی بے احتیاطی کچھ سے کچھ ہو جاتی اور بنا دی جاتی ہے، رہے

ع ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی۔

جے پی کے لیڈر اجودھیا کے معاملے میں عدالتی فیصلے کو غیر موثر اور غیر
ہوئے مذاکرات پر زیادہ زور دے رہے ہیں، ان کے خیال میں عدالتی فیصلے
اور پرامن حل نہیں نکل سکتا، مذاکراتی تصفیہ ہی مسئلے کا بہترین حل ہے جس
کرنے میں مدد ملے گی، وہ خوش ہیں کہ متعدد مسلم افراد اور تنظیمیں اجودھیا
ں سے باتیں کرنے لگی ہیں، حالاں کہ سب کو معلوم ہے کہ مذاکرات سے
جائے مزید الجھ جائے گا، سنگھ پریوار بل پیش کرنے، رام مندر کی تعمیر کے
ر اعظم سے استعفا کا جو مطالبہ کر رہا ہے وہ خود اور بی جے پی بھی جانتی ہے کہ
والا نہیں، یہ مسئلے کو گرم رکھنے اور الکشن میں بی جے پی کو کامیاب بنانے کا
ی قابل غور ہے کہ مذاکرات کی یہ رٹ خود مسلمانوں میں اختلاف اور دوری
ی جا رہی ہے، ایمرجنسی میں جیل سے رہائی کے بعد جماعت اسلامی ہند ان
تجربہ اور مسلمانوں کے عتاب کا نشانہ بن چکی ہے، کیا مذاکرات کے نام پر
ہا ہے، گفت وشنید، مفاہمت اور غیر مسلموں سے دوستی اور لطف و مدارات
ن کی سازشوں کا شکار ہو جانا اور بابری مسجد منہدم کرنے والوں کو اب اسے
وقع دینا یا اس میں ان کا معاون بن جانا دوسری چیز ہے۔

سورۂ تکویر کے اسرار و عجائب

از مولانا محمد شہاب الدین ندوی مرحوم☆

(۲)

۳۔ دعوت اسلامی سائنٹفک طریقے سے

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ
فَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِلْعَالَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ
يَّسْتَقِيْمَ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا أَنْ
يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ

(آیات: ۲۵۔۲۹)

یہ کسی شیطان مردود کا کلام نہیں ہے، لہٰذا تم
کدھر جا رہے ہو؟ یہ تو سارے جہاں کے لیے
ایک تذکرہ ہے، لہٰذا تم میں سے جو چاہے وہ
سیدھا ہو جائے مگر تم نہیں چاہو گے، جب تک
کہ اللہ نہ چاہے، جو سارے جہاں کا رب ہے۔

پہلے مضمون میں قیامت اور دوسرے مضمون میں قرآن اور رسالت محمدیؐ کا اثبات کرنے اور اس سلسلے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو علمی انداز میں دور کرنے کے بعد اب تیسرے مضمون میں عالم انسانی کو بالکل عقلی و منطقی انداز میں دعوت دی جا رہی ہے کہ جب خدا کا وجود علم و تحقیق کی روشنی میں ثابت ہو گیا اور قرآن اور رسالت نیز قیامت کی حقانیت بھی دلایل کی روشنی میں واضح ہو گئی کہ یہ سب کوئی دانستان پارینہ یا دقیانوسیت نہیں، بلکہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ایک اٹل اور ناقابلِ تردید صداقت ہے، لہٰذا اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ ان حقایق کو بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنی مرضی سے تسلیم کرے اور خلاق عالم کو (جو اس کائنات کی ایک ایک چیز سے بہ خوبی واقف ہے) اپنا رب اور معبود مان لے، ورنہ بصورت دیگر اسے اپنے انجام بد کے لیے تیار رہنا چاہیے، یہ ایک خالص سائنٹفک طریقۂ دعوت ہے، جس کا داعی و علم بردار آج روئے زمین پر صرف

☆ بانی فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور ۲۶۔

زت ہی ہے اور یہ اسلوبِ دعوت موجودہ سائنسی مزاج رکھنے والوں کے لیے
اور خاص کر مادیت کے مارے ہوئے لوگوں کے لیے ایک تریاق سے کم نہیں
سلوب بہ جائے خود ایک معجزہ ہے جو اس بات کی مزید ایک دلیل ہے کہ یہ معجزہ
زاج کے مطابق نوع انسانی کو مخاطب کرسکتا ہے ''یہ کسی شیطان مردود کا کلام
ہکے جارہے ہو؟'' (آیات: ۲۵-۲۶)۔

رسالت میں کفار و مشرکین قرآن مجید کو کلام الٰہی ماننے کے بہ جائے اس پر
تیاں کستے تھے، بالکل اسی طرح موجودہ دور میں بھی منکرینِ خدا اسے اللہ کا
ے بہ جائے کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کا گھڑا ہوا ہے تو کبھی کہتے ہیں کہ یہ
رہ قدیم صحیفوں کا چربہ ہے، جیسا کہ اس سلسلے میں بہت سے مستشرقین کا خیال
ہے کہ یہ ایسا بلند پایہ کلام ہے جو اپنے غیبی اور ابدی حقایق و معارف کی بنا پر نہ
ف کردہ ہوسکتا ہے اور نہ تورات و انجیل سے ماخوذ، کیوں کہ یہ تمام قدیم صحیفے
قایق و معارف سے یکسر خالی ہیں، لہٰذا یہ کلام اس اعتبار سے بھی ایک معجزہ نظر
آپ ہے۔

ی سارے جہاں کے لیے ایک تذکرہ و تنبیہ ہے، تو اب تم میں سے جو چاہے وہ
آیات: ۲۷-۲۸)۔

ی حقایق کے منکشف ہوجانے کے بعد اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ اس کلامِ
تے ہوئے اس پر ایمان لائے یا ابدی لعنتوں کا مستحق بن جائے، اس طرح یہ
کے دروازوں پر دستک دیتی اور ذہنی دریچوں کو کھولتی ہے، تاکہ جس کے دل
ی رمق بھی باقی ہو وہ اس دعوت حق کو ایک غیبی آواز تصور کرتے ہوئے اس
کہہ سکے، ظاہر ہے کہ یہ ایک فطری و عقلی طریقۂ دعوت ہے جو انسان کو حق شناسی
اس کے ضمیر کو جھنجوڑتا ہے، اس اعتبار سے عصر جدید میں اس طریقۂ دعوت کی
ہے اور یہ طریقہ وہی اختیار کرسکتا ہے جس نے نہ صرف انسان کو پیدا کیا بلکہ اس
سے بھی بہ خوبی واقف ہے، ورنہ کلام الٰہی اور انسان کے عقلی مزاج میں اس

قدر موافقت نہ پائی جاتی، قرآن عظیم اس اعتبار سے بھی ایک معجزہ ہے، لہٰذا اس کے ان ابدی
حقایق کا انکار نوع انسانی کے لیے بڑی محرومی کی بات ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ خیر اور شر اور اچھے
برے میں تمیز کرتے ہوئے اس صدائے حق پر کان دھرے، جو اس کے لیے حیاتِ جاودانی کا
باعث ہے، ورنہ بہ صورت دیگر وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور روزِ جزا کے دن اس کا کوئی بھی عذر
کام نہ آئے گا، یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، وہ یہاں جو بوئے گا کل وہی کاٹے گا، لہٰذا غافل
انسان کو فوراً سنبھل جانا چاہیے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ — اور تم نہیں چاہو گے جب تک کہ اللہ نہ چاہے، جو اس کائنات کا رب ہے۔

انسان مختار ہے یا مجبور؟

پچھلی آیت میں خدائے تعالیٰ نے بندوں کی مشیت ثابت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم میں سے جو چاہے وہ سیدھا ہوجائے، مگر اس کے فوراً بعد کہا جارہا ہے کہ تمہاری مشیت یا تمہارا ارادہ و اختیار اللہ کی مشیت کے تابع ہے، یعنی تم اپنے ارادے و اختیار میں آزاد نہیں ہو، بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تضاد پایا جارہا ہے، لہٰذا اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ دراصل یہ تقدیرِ الٰہی کا مسئلہ ہے جو ہر دور میں عقلا اور دانش وروں کے لیے باعثِ حیرانی رہا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادے و اختیار میں نہ تو پوری طرح آزاد ہے اور نہ پوری طرح مجبور، بلکہ وہ ایک حیثیت سے آزاد ہے تو دوسری حیثیت سے مجبور۔

تقدیرِ الٰہی ایک مشکل ترین مسئلہ ضرور ہے مگر وہ کوئی معما نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا مقدر ضرور متعین کردیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ کردیا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، یعنی جو شخص نیکی کا راستہ اختیار کرے گا وہ اپنی ہر مرضی سے کرے گا، لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور اس کی تقدیر بنانے والا ہے اس لیے وہ ہر شخص کے انجام سے بہ خوبی واقف ہے کہ فلاں بندہ ایسا ایسا ضرور کرے گا، لہٰذا انسان کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ نیکی اور ہدایت کا راستہ اپناتے ہوئے گمراہی کے راستے سے بچنے کی کوشش کرے، کیوں کہ اللہ نے انسان کو عقل و شعور، سوجھ بوجھ اور قوتِ فیصلہ سے نوازا ہے اور اسے اچھے اور برے میں تمیز کرنے کی قوت و صلاحیت بھی عطا کی ہے، چنانچہ وہ اپنی اس قوت سے کام لیتے ہوئے اپنی زندگی میں

سان پہنچانے والا ہو، مثال کے طور پر وہ آگ میں ہاتھ نہیں
گا اور جان بوجھ کر زہر نہیں پیے گا، کیوں کہ اسے اچھی طرح معلوم
ے نقصان دہ ہیں، اسی طرح انسان کے سامنے خیر و شر کا راستہ بھی
کو استعمال کرتے ہوئے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب
امتحان ہے، تقدیر کا مسئلہ اپنی جگہ ضرور ہے، مگر اس کے ساتھ
ہے وہ اپنے ارادہ و اختیار کی بنا پر کرتا ہے اور اس پر کوئی جبر نہیں
ہ کر کے گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ اس کے لیے اسی
برعکس جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا تو اللہ اس کے لیے اس
ایک حدیث میں ہے کہ ''عمل کرو ہر شخص کو اسی میں آسانی دی
یا ہے'' (اِعْمَلُوْا کُلٌّ مُیَسَّرٌ) (۱) جب کہ بعض حدیثوں
ے'' بھی مذکور ہے۔

ں ان ہی خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوگی جو خدائی دلایل اور
ت کا ارادہ بھی کریں، یہی ان کی تقدیر ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے
خص کو ہدایت یافتہ بننے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، ورنہ اگر وہ
ہ'' بن جائے یعنی اپنے آپ کو مجبور ثابت کرنے کی کوشش کرتے
تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت سے نہیں نوازتا، حالاں کہ
مل ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دے،
نے بندوں کو آزمانے کی غرض سے یہ ضابطہ بنا دیا ہے کہ ہر شخص
سے کسی ایک کا انتخاب کرے، اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر کسی کو
، واللہ اعلم بالصواب۔

دوں کا اختیار (مشیت) اور اللہ کا اختیار دونوں کا بہ یک وقت
ت ہوتا ہے کہ بندوں کو بھی ارادہ و اختیار (بہت بڑی حد تک)
مقامات میں مذکور آیات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، مثلاً۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف:۲۹)	کہہ دو کہ حق بات تمہارے رب کی جانب سے ہے، تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے (تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے)۔
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل:۱۹)	یہ ایک یاد دہانی ہے، لہٰذا جو چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔

باریٔ تعالیٰ مختارِ کل اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بندہ ایک حیثیت سے مختار ہے تو دوسری حیثیت سے مجبور ہے، جہاں تک اس کے عمل و ارادے کا تعلق ہے تو وہ مختار ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کا تعلق ہے تو وہ مجبورِ محض ہے، یعنی خلاقِ عالم نے طبیعی و حیاتیاتی نقطۂ نظر سے جو ضوابط اس کے لیے مقرر کر دیے ہیں انہیں وہ توڑ نہیں سکتا اور جو چاہے وہ کر نہیں سکتا، چنانچہ زیر بحث آیت میں ''رب العالمین'' کے جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ان کی رُو سے بطور اشارہ یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے، یعنی باریٔ تعالیٰ کی ربوبیت چوں کہ ہمہ گیر اور سارے جہاں پر محیط ہے اس لیے وہ جس طرح چاہتا ہے ان کے ضوابط مقرر کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے، اس کے قوانین ربوبیت کو کوئی مخلوق توڑ نہیں سکتی اور جو چاہے وہ کر نہیں سکتی، جیسے رزق رسانی کا نظام، بارش کا نظام، بادلوں کا نظام، زمین سے اناج اگانے کا نظام، مخلوق پروری کے لیے خورد و نوش کا نظام اور ماں کے پیٹ سے جنین کی تخلیق وغیرہ وغیرہ، چنانچہ ان تمام نظاموں میں باریٔ تعالیٰ پوری طرح مختارِ کل ہے اور کوئی بھی مخلوق ان نظاموں میں اس کا ساجھی یا شریک نہیں ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (قصص:۶۸)	اور تیرا رب جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے اور جو چاہے وہ اختیار کرتا ہے، ان کو کوئی اختیار نہیں، اللہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (مائدہ:۱۷)	آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے درمیان موجود چیزوں کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

وہی ہے (تمہارا رب) جو رحمِ مادر میں تمہاری صورت
گری جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا دوسرا
کوئی الٰہ (حیرت انگیز کرشمے دکھانے والا) موجود
نہیں ہے، وہ بڑا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں،
وہ جسے چاہتا ہے روزی کشادہ کرتا اور تنگ بھی
کر دیتا ہے، یقیناً وہ ہر چیز سے واقف ہے۔

اں کا بادشاہ اور مختارِ کل ہے اور کوئی بھی اس کی مرضی کے بغیر
نے کہ وہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے
اقدرت کے اظہار کے طور پر ہدایت ضرور دے سکتا ہے، مگر
وں کو آزمائے، لہٰذا اس نے اس سلسلے میں ایک عمومی ضابطہ

(نحل:۹) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔
لنّاس اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی
تلفين امت بنا دیتا (مگر) لوگ ہمیشہ اختلاف میں
رہیں گے۔

ں یہ کہ باریٔ تعالیٰ کو مختارِ کل ہونے کے اعتبار سے پورا پورا
ے اور جسے چاہے گمراہ کر دے، مگر وہ گمراہ اسی کو کرتا ہے جو
ی ہے۔ :

یشآءُ کہہ دو کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور
اب اپنے تک پہنچنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی
طرف رجوع کرے۔
شآءُ و اللہ جسے چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور اسی کو

يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (شوریٰ:۱۳) راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اس کے برعکس اللہ ان لوگوں کو ہدایت سے نہیں نوازتا جو فاسق، بدکار اور ظالم ہوں اور جو اللہ کی آیات یا اس کے دلایلِ ربوبیت کا انکار کر کے گمراہی ہی پر اڑے رہنے والے ہوں، چند آیات ملاحظہ ہوں۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (آل عمران:۸۶) اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (مائدہ:۱۰۸) اور تم اللہ سے ڈرو اور (اس کی بات) سنو (کیوں کہ) اللہ بدکردار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (مومن:۲۸) اللہ یقیناً اس شخص کو راہ یاب نہیں کرتا جو حد سے بڑھا ہوا اور کذاب ہے۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (جمعہ:۵) بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اللہ (ایسے) ناحق کوشوں کو راہِ ہدایت سے نہیں نوازتا۔

ان آیاتِ بینات کی رُو سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو گئی کہ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو ہدایت کا طالب بھی ہو اور اللہ کی طرف رجوع و انابت کا راستہ اپنانے والا ہو، اس کے برعکس ہدایت اسے کسی بھی طرح نہیں مل سکتی جو گھمنڈی ہو اور فسق و فجور کا راستہ اختیار کرنے والا اور اللہ کی آیات یا اس کے دلایلِ ربوبیت کو جھٹلانے والا ہو، لہٰذا ہدایت یافتہ بننے کے لیے اس کی فکر ضروری ہے، ورنہ اللہ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔

کفر اللہ کو ناپسند واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا گمراہ ہونا مقدر ہے وہ اللہ کی مشیت ہی کے تحت ہے، مگر اس میں اس کی رضامندی کو دخل نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا باریٔ تعالیٰ اپنے بندوں کی اس روش پر افسوس کا بھی اظہار کرتا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ارشادِ باری ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ اگر تم کفر کا راستہ اختیار کرو گے (تو اس سے اللہ کا کچھ بگڑنے والا نہیں ہے) کیوں کہ اللہ یقیناً تم سے بے نیاز

ہٗ لَکُمْ	ہے مگر وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم اس کے شکر گزار بنو تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا۔
کَذِّبِیْنَ	ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض (ہماری)
کَافِرِیْنَ	تکذیب کرنے والے ہیں اور یہ بات بلاشبہ انکار کرنے والوں کے لیے باعثِ حسرت ہے۔

اپنی ازلی تقدیر کی بنا پر بعضوں کے لیے جنت اور بعضوں کے
پر لاعلمی کا الزام کا عائد ہوتا کہ وہ اپنے بندوں کے انجام سے
مہ دان اور علام الغیوب ہے، لہٰذا وہ اپنے بندوں کے اعمال و
اچھی طرح واقف ہے، چنانچہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے
صوبے کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔

مشکل ترین مسئلہ ہے جو عقل انسانی کی گرفت میں پوری طرح
ح کے مطابق اس پر ایمان لانا واجب ہے، ورنہ انسان کی نجات
بھی خیر و شر موجود ہے وہ اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے، (حتی تؤمن
ے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

مِنْ شَرِّ	کہہ دو کہ میں صبح کے پیدا کرنے والے کی پناہ مانگتا
)	ہوں، اس شر سے جو اس نے پیدا کر رکھا ہے۔

ں بحث سے بہ خوبی واضح ہو گیا کہ انسان مجبور محض نہیں ہے جو
ہو، بلکہ وہ ارادہ و اختیار سے بھی متصف ہے، ورنہ پھر رجوع
کوئی مفہوم ہی نہیں رہ جاتا اور اس کے سامنے علمی و عقلی دلایل
سان کو نظام کائنات میں غور و خوض کر کے دلایلِ ربوبیت کو سمجھنے
ل و فکر کی قوتوں سے کام لے کر اس کائنات میں پھیلی ہوئی خدا
قاضوں کے مطابق اپنے غلط رویہ کو درست کرے، ظاہر ہے کہ
اپنے ارادہ و اختیار میں بہت بڑی حد تک آزاد ہے، خود زیر

بحث سورت ہی میں دیکھ لیجیے کہ سب سے پہلے اس کائنات میں زمانۂ مستقبل میں واقع ہونے والے بعض طبیعی حوادث کا ذکر کرتے ہوئے نوعِ انسانی کو متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کا دن ضرور آنے والا ہے، جس کی شہادت سورج اور ستارے دے رہے ہیں، پھر کلام الٰہی اور رسالت محمدی کے برحق ہونے پر آسمانی دنیا کی گواہی پیش کی گئی، پھر اس کے بعد نوعِ انسانی کو دعوت دی گئی ہے کہ تم میں سے جو چاہے وہ اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کرتے ہوئے خدائی راستہ اختیار کر سکتا ہے، تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان پوری طرح مجبور اور بے بس نہیں ہے، تقدیر اپنی جگہ پر، مگر کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کی تقدیر کیا ہے؟ لہٰذا اسے اپنے ارادہ و اختیار سے فرار کی کوئی گنجایش نہیں ہے، اگر وہ اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کرے گا تو یہی اس کی تقدیر ہوگی ورنہ اگر کوئی اپنے اس ارداہ و اختیار کو معطل کر کے ''جبریت پسند'' بن جائے گا تو یہی اس کی تقدیر ہوگی، لہٰذا ہر شخص کو اپنے ارادہ و اختیار کا استعمال ضرور کرنا چاہیے، ورنہ اس کا شمار بہایم اور چوپایوں میں ہوگا، جو غور و فکر اور ارادہ و اختیار کی آزادی سے بالکل محروم ہیں، کیوں کہ ان کی ایک محدود اور لگی بندھی زندگی ہے جو کھانے پینے ہی تک محدود ہے اور ایسے ہی لوگوں کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے جو سوائے کھانے پینے اور موج مستی کرنے کے اور کچھ بھی نہیں جانتے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ (محمد: ۱۲)	اور جنہوں نے اللہ کا انکار کیا تو وہ (دنیا میں) عیش کرتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپایے کھاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

حاصل یہ کہ انسان اس دنیا میں نہ تو پوری طرح آزاد ہے اور نہ پوری طرح مجبور، بلکہ ایک حیثیت سے آزاد ہے تو دوسری حیثیت سے مجبور، مگر دنیا میں ایسی بہت سی قومیں گزری ہیں جو انسان کو یا تو مجبور محض یا پھر مختارِ کل قرار دیتی تھیں، اول کو اصطلاحاً ''جبریہ'' اور ثانی کو ''قدریہ'' کہا جاتا ہے، خود اسلام میں بھی بعض فرقے جبریہ اور بعض قدریہ گزر چکے ہیں اور عصر جدید میں مادہ پرست (خصوصاً اٹھارویں اور انیسویں صدی کے) جبریت پسند تھے اور ہیں، جو انسان کو ایک مشین کی طرح مجبور محض قرار دیتے ہیں، چنانچہ آج بھی ''کرداریت'' (۲) کے علم بردار (جن کا مرکز امریکہ ہے) انسان کو ارادہ و اختیار سے عاری ایک مشین قرار دے کر اسے دنیوی عیش اور موج مستی ہی میں مگن رہنے کی

کے عیاش لوگوں کے لیے تقدیرِ الٰہی ایک بہانہ بن سکتی ہے، مگر شرعی وعقلی
ر ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض نہیں ہے، ورنہ پھر عقل وشعور اور نظام دلایل
ق اور انسان پر اللہ کی حجت کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چوں کہ اس پوری کائنات کا خالق اور
ے علاوہ حکیم مطلق بھی ہے اس لیے وہ اپنا ہر کام ایک مکمل منصوبے اور
ہے اور اس کا کوئی بھی فعل اَلل ٹپ اور رواداری میں نہیں ہوتا، خدائی
ی تعبیر کتاب الٰہی میں "تقدیر" اور "تدبیر" کے الفاظ سے کی گئی ہے،
کہ جب یہ کائنات موجود نہیں تھی، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کا
سے وجود میں لایا، بعض حدیثوں میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے
وقات کی تقدیر زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال
ی تقدیرِ الٰہی کے بعض اصول وضوابط حسب ذیل آیتوں میں مذکور ہیں۔

دَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ... (
اس نے ہر چیز پیدا کی اور اس کا ایک (طبیعی) ضابطہ مقرر کیا۔

اهُ بِقَدَرٍ وَمَا أَ ... مْحٍ بِالْبَصَرِ ... (۵
ہم نے ہر چیز یقیناً ایک خاص منصوبے سے پیدا کی ہے اور ہمارا حکم (کسی چیز کے لیے) صرف ایک بات (کُن) ہوتی ہے، جیسا کہ پلک کا جھپکنا (اور وہ ہو جاتی ہے)۔

ئنات اور اس کے تمام مظاہر خالق کائنات کی اس ازلی منصوبہ بندی
وہ ان نظاموں کی پوری باقاعدگی کے ساتھ نگرانی اور دیکھ بھال کر رہا
ت سے یہ حقیقت پوری طرح واشگاف ہوتی ہے۔

لَ الَّيْلَ سَكَنًا ... حُسْبَانًا ذٰلِكَ ... لِيْمِ (انعام: ۹۶)
وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا اور آفتاب وماہتاب کا ایک حساب مقرر کیا، یہ ہے منصوبہ ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کا۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (یونس: ۵)

وہی ہے تمہارا رب جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو، اللہ نے اسے پوری حقانیت (حکمت ومصلحت) کے ساتھ پیدا کیا ہے، (چنانچہ) وہ اپنی نشانیاں اہل علم کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰس: ۳۸)

اور سورج اپنے مستقر کی طرف دوڑ رہا ہے، یہ ہے منصوبہ ایک زبردست اور باخبر ہستی کا۔

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حم سجدہ: ۱۲)

اور ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور اسے محفوظ بنا دیا ہے، یہ ہے منصوبہ ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کا۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (سجدہ: ۴-۶)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کی درمیانی چیزوں کو چھ دنوں (چھ مدارج) میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر متمکن ہوا، تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی (حقیقی) دوست ہے اور نہ کوئی سفارشی، تو کیا تم کو (اس حقیقت پر) انتباہ نہیں ہوتا؟ وہ آسمان سے لے کر زمین تک پورے معاملے کی تدبیر کر رہا ہے، پھر وہ معاملہ چڑھ کر اس کے پاس پہنچے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہے، یہی ہے عالم غیب اور عالم شہادت کا علم رکھنے والا جو نہایت درجہ غالب اور رحم دل ہے۔

ربوبیت کی ہمہ گیری کائنات اور اس کے مظاہر کی یہی وہ تقدیر (پلاننگ) اور تدبیر (نظم ونسق) ہے جس کے مجموعے کا نام "ربوبیت" یا اس کائنات کی کارسازی ہے، چنانچہ خلاقِ

رسازی سے اس کائنات کا کوئی ذرہ تک آزاد نہیں ہے، زمین
ے فرش تک اس کی ربوبیت ہر چیز اور ہر مظہر فطرت پر محیط ہے
ی ہمہ گیر بندھنوں میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے، جن سے اسے
ا ایک ایک عضو اور اس کی ایک ایک سانس تک طبیعی و حیاتیاتی
یڑیوں میں جکڑی ہوئی ہے، بہ الفاظ دیگر انسان جسمانی اعتبار
س بندھا ہوا ہے انہیں وہ کسی بھی طرح توڑ نہیں سکتا اور ربوبیت
کتا، چنانچہ نظام تنفس، نظام دوران خون، نظام تغذیہ، نظام بول و
غیرہ کو بدل نہیں سکتا اور ان ضوابطِ ربوبیت کی خلاف ورزی نہیں

اپنے تمام حیرت انگیز نظاموں سمیت بشمول انسان خدا کی تقدیر
بوبیت کے دو بازو ہیں، مگر انسان اور مظاہر کائنات کے درمیان
تمام مظاہر اپنی ذاتی مشیئت سے سرفراز نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ
ور کارسازِ عالم نے ان کے لیے جو طبیعی ضوابط مقرر کر دیے ہیں
سکتے، لیکن چوں کہ انسان کو ابتلا و آزمایش کی غرض سے پیدا کیا
ر سے بھی نوازا گیا ہے تا کہ باریٔ تعالیٰ کا منصوبہ پورا ہو سکے۔

کَ وَهُوَ	بڑا بابرکت ہے وہ جس کے دست قدرت میں
ذِیْ خَلَقَ	(اس پوری کائنات کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز
وَكُمْ اَیُّكُمْ	پر قادر ہے، اسی نے موت اور حیات کو پیدا کیا
یْزُ الْغَفُوْرُ	تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھا عمل

کرتا ہے، وہ بڑا غالب اور بخشنے والا ہے۔

و یہ ارادہ و اختیار حاصل نہ ہوتا تو پھر اس میں اور ایک درخت یا
کر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا "قدریہ" کے عقیدے کے مطابق یہ
ر ہے ضرور، ورنہ قرآن حکیم کی وہ تمام آیات مہمل قرار پائیں گی

جن کے مطابق انسان کو اپنی مرضی سے صحیح راستہ اختیار کرنے اور نیک عمل کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

تقدیر کا اثبات دراصل علم الٰہی کے "قدیم" ہونے کا اثبات ہے، ورنہ پھر اس کا رد ہو جائے گا، یعنی تقدیر کے انکار سے یہ بات لازم آئے گی کہ باریٔ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال و افعال اور ان کے نیک و بد ہونے سے ناواقف تھا، حالاں کہ قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق وہ ہر چیز اور ہر بات سے بہ خوبی واقف ہے، ورنہ پھر اس کی منصوبہ بندی کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، بلکہ اس سے جہاں ایک طرف تقدیر الٰہی کی نفی ہوتی تو دوسری طرف اس کا "جہل" بھی ثابت ہو جاتا، معاذ اللہ، حالاں کہ قرآن حکیم صراحتاً اعلان کرتا ہے۔

وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (انعام:۱۰۱)	اس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور وہ ہر چیز سے بہ خوبی واقف ہے۔
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (زخرف:۸۴)	وہی ہے جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے اور وہ حکمت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔
اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (توبہ:۷۸)	کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں سے بھی واقف ہے اور یہ کہ اللہ غیب کی باتوں کو بہ خوبی جانتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (فاطر:۳۸)	اللہ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے اور وہ دلوں کے حالات سے بھی خوب واقف ہے۔

ہدایت پانے کی شرطیں حاصلِ بحث یہ کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جو طبیعی حوادث واقع ہو رہے ہیں وہ سب بخت و اتفاق کے تحت یا الل ٹپ نہیں بلکہ تقدیر الٰہی اور تدبیر الٰہی کے تحت ظہور میں آ رہے ہیں اور انسان بھی اس ہمہ گیر تقدیر سے آزاد نہیں ہے، چنانچہ اللہ کی مشیئت کے تحت تمام انسانوں کی تقدیر پہلے ہی سے طے ہو چکی ہے کہ فلاں بندہ ہدایت یافتہ بنے گا اور فلاں گمراہ ہوگا، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی طے کر دیا ہے کہ جو گمراہ ہوگا وہ اپنی مرضی سے

بننے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔

واللہ کی راہ میں مال خرچ کرے۔

کہ وہ اللہ سے ڈرے۔

ہے کہ وہ کلمۂ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرے۔

للہ ہدایت کے راستے کھول دے گا، اس کے برعکس جس نے ان

تقلب اور دائمی عذاب کا مستحق ہوگا اور ایسے شخص کے لیے اللہ

گا، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَ صَدَّقَ تو جس نے (راہ خدا میں) خرچ کیا اور اللہ سے ڈرا

فَسَنُيَسِّرُهٗ اور اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم اس کے لیے (خیر کا)

وَ كَذَّبَ راستہ آسان کردیں گے، اب رہا وہ شخص جس نے بخل

وَ اسْتَغْنٰى سے کام لیا اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی اور

اچھی بات (کلمۂ الٰہی) کو جھٹلایا تو ہم اس کے

لیے (دوزخ کا) راستہ آسان کردیں گے۔

سی میں آسانی پیدا کردیتا ہے جو وہ اپنے لیے منتخب کرتا ہے، یعنی

ں میں اسے سہولت دیتا ہے، اس کی تعبیر اہل سنت والجماعت

ح ہے کہ "انسان اپنے اعمال کا کاسب ہے، جب کہ ان اعمال

سے اللہ کی مشیئت اور بندے کی مشیئت دونوں کا اثبات ہو جاتا۔

اللہ اعلم۔

تے کھلے ہوئے ہیں کہ اگر وہ چاہے تو خیر کا راستہ اختیار کرے یا

لَ اِمَّا ہم نے اسے بلاشبہ (اپنا) راستہ دکھایا ہے (تو اب اسے

لشُّكُوْرًا اختیار ہے کہ) وہ یا تو (صحیح راستہ اختیار کرکے) شکرگزار

بنے یا پھر (غلط راستہ اختیار کرکے) نافرمان بن جائے۔

الغرض تقدیر انسانوں کے لیے ایک "مجہول" چیز ہے، جب کہ ان کے سامنے صرف "عمل" کا راستہ کھلا ہوا ہے، لہٰذا ہر شخص عمل کا راستہ اپناتے ہوئے اپنی تقدیر خود بنا سکتا ہے اور اسی میں اس کی عافیت ہے، ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص اپنی تقدیر کا حال جان لیتا تو پھر اس کے لیے عمل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی، اسی لیے حدیث شریف کے الفاظ بہت بلیغ اور حکیمانہ ہیں کہ "تم عمل کیے جاؤ، ہر شخص کو اسی میں آسانی دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے"، چنانچہ ہر انسان کے لیے یہی ایک صائب اور معقول حل ہے کہ وہ خدا کے حکموں کے مطابق عمل کرتے ہوئے ہمیشہ اپنی عافیت کی دعا مانگتا رہے، ورنہ اس کا کوئی بھی غلط فعل اسے صراطِ مستقیم سے ہٹا دے گا، جس کے باعث وہ ابدی لعنتوں کا مستحق بن جائے گا۔

اسلام کے جملہ عقائد کا اثبات

سورۂ تکویر مختصر ہونے کے باوجود نہایت درجہ جامع اور حیرت انگیز طور پر تمام اسلامی عقائد کا سائنٹفک طور پر اثبات کرنے والی ہے، زیر بحث مسئلے میں راقم کی نظر میں اتنی جامع کوئی دوسری سورت موجود نہیں ہے، یہ درحقیقت دریا بکوزہ کا مصداق ہے، اس سورہ کے مباحث سے اسلام کے تمام بنیادی عقائد روشنی میں آجاتے ہیں جو نوع انسانی کو متنبہ کرکے عقلی اعتبار سے اس کی تشفی کا سامان فراہم کرنے والے ہیں، یہ حقایق موجودہ مادیت کی ماری ہوئی انسانیت کے لیے ایک دوائے شافی کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کو اب اور زیادہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کے بنیادی عقاید یہ ہیں:۔ ۱۔اللہ پر ایمان، ۲۔فرشتوں پر ایمان، ۳۔اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان، ۴۔رسولوں پر ایمان، ۵۔یوم آخرت یا دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان، ۶۔اللہ کی تقدیر پر ایمان کہ اس دنیا میں جو بھی خیر و شر موجود ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے، چنانچہ اس کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

یعنی میں ایمان لایا اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر، تقدیر پر کہ اس کا خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر۔

پہلے خدا کا وجود اور اس کی تقدیر کا اثبات ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک
یہ کائنات بنائی اور اس کے طبیعی ضوابط مقرر کیے اور پھر اسے ایک وقت
رکھا، چنانچہ جب یہ وقت مقررہ (اجلٌ مُسمّٰی) آجائے گا تو یہ پوری
رح پھٹ کر بکھر جائے گی اور پھر حساب کتاب کے لیے اسے نئے
، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات رب العالمین کے ازلی
قع ہو رہے ہیں اور اس میں ذرا بھی کمی بیشی نہیں ہو رہی ہے، اسی بنا پر
قعات کی خبریں پہلے ہی سے بہ طور پیش گوئی درج کر دی گئی ہیں تاکہ
ت کی علامتیں سامنے آئیں تو اس سے کلام الٰہی کی تصدیق و تائید
ں موقع پر دو عظیم اور ناقابلِ تردید حقیقتیں سامنے آتی ہیں: اول یہ کہ
ار ساز ضرور موجود ہے اور دوم یہ کہ وہ اپنی تخلیقات کے تمام بھیدوں یا
ں واقف ہے، ورنہ ان رموز و اسرار کی پیش خبری ممکن نہ ہوتی، یہی
کی حقیقت و ماہیت سے بہ خوبی واقف ہے۔

رآن کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے، جس کی صداقت کی گواہی نظام
نیا دے رہی ہے، اس طرح قرآن کی سچائی دو طریقوں سے ثابت ہوتی
ں یا اس کی علمی پیش گوئیوں کے مدنظر، جس کی حقانیت پر جدید سائنسی
یق ثبت کر رہے ہیں اور دوسرے آسمانی نظام کی گواہی کہ یہ پورا سلسلۂ
دواں دواں ہے، چنانچہ اس جلوۂ ربوبیت کے باعث سلسلۂ وحی کا بھی
رام پر خدائے خلاق وعلام کی جانب سے آتی رہتی ہے، اس سے تمام
ں ثابت ہوتی ہے، اسی طرح ملائکہ کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے جو اللہ اور
ان پیغام رسانی کا واسطہ ہیں اور پھر سب سے آخر میں اللہ کی مشیت کا
کائنات اس کی ہمہ گیر منصوبہ بندی ہی کے تحت وجود میں آئی اور اس کی
و ساری ہے، اس طرح اسلام کے تمام بنیادی عقاید سائنسی نقطۂ نظر
منے آجاتے ہیں اور یقین کرنے والوں کے لیے کسی قسم کے شک وشبہ کی

گنجایش باقی نہیں رہ جاتی، اس لحاظ سے یہ چھوٹی سی سورت اپنے حیرت انگیز حقایق کی رُو سے ایک معجزہ ہے جو عالم انسانی کو غفلت کی نیند سے جگانے کے لیے بہت کافی ہے۔

ان تمام اعتبارات سے اسلام ایک خالص سائنٹفک دین ہے، جس میں بے عقلی اور تاریک خیالی کی کوئی بات موجود نہیں ہے، لہٰذا ان حقایق کے واضح ہو جانے کے بعد اب تمام بنی آدم کو اپنی نجات کی فکر کرنی چاہیے۔

عصر جدید میں قرآن کی تجلّیاں ربوبیت کی یہ وہ تجلیاں ہیں جن سے آج سارا عالم بقعۂ نور بنا ہوا ہے اور ان تجلیوں کے ذریعہ قرآن عظیم کا برحق اور من جانب اللہ ہونا دن کی روشنی میں پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے، اس سے ایک بہت بڑی حقیقت یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ علم صرف وہی نہیں ہے جو سائنسی تحقیقات کے ذریعہ حاصل ہو (جیسا کہ عصر جدید کے مادہ پرستانہ فلسفوں کا دعویٰ ہے) بلکہ علم کا ایک اور ذریعہ جو بالکل بے خطا ہے وہ وحی الٰہی ہے، اس جلوۂ الٰہی کے ذریعہ ایک اور حقیقت یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ انسانی علم یا سائنسی تحقیق و تدقیق میں کبھی کبھار غلطی ہو سکتی ہے مگر وحی الٰہی میں کسی بھی قسم کی غلطی یا اشتباہ کا امکان نہیں ہے، ورنہ پھر سائنسی علم وحی الٰہی اور علم الٰہی کی تصدیق و تائید کبھی نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ جدید ترین اکتشافات علم الٰہی کے ایک ایک جزیے کی سچائی پر مہر لگاتے ہوئے طبیعیات اور مابعد الطبیعیات میں ربط و تعلق پر نئے نئے دلایل خود اپنی طرف سے اس طرح فراہم کر رہے ہیں گویا کہ وہ الحاد و مادیت کی تردید میں اسلام اور قرآن کے وکیل ہوں، بہ الفاظ دیگر جدید سائنسی اکتشافات آج مادہ پرستوں کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے ان پر فرد جرم عاید کر رہے ہیں، تو کیا سائنس اور فلسفے کی دنیا میں یہ ایک انوکھا واقعہ نہیں ہے؟ قرآن عظیم اور رسالت محمدی ﷺ کی صحت و صداقت کا اس سے بڑا علمی اور تاریخی ثبوت اور کیا چاہیے؟ ظاہر ہے کہ یہ علمی دنیا کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ اسلامی عقاید و تعلیمات اور قرآن کی سچائی ظاہر کرنے کے لیے اسلام کو اپنی طرف سے کوئی ثبوت پیش کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہی، بلکہ علم انسانی یا سائنسی علم خود ہی اپنی تحقیقات کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کا علمی ثبوت پیش کرتے ہوئے ماہیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک رہا ہے، اسی لیے خلاق ازل نے اپنی کتاب ابدی کے ذریعہ نظام کائنات میں غور و خوض اور مظاہر فطرت کی چھان بین کی دعوت دی تھی تاکہ ان کے نظاموں کے اندر نقاش فطرت نے جو

ں ہے وہ کھل کر سامنے آجائے اور اس کے نتیجے میں عالم انسانی پر اللہ کی
جائے، یہ بھی خدائی تقدیر اور اس کی بے مثال منصوبہ بندی ہی کا ایک حصہ
کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے، اسی لیے قرآن عظیم کو سارے جہاں کو خبردار
یا ہے۔

الْفُرْقَانَ عَلٰى	بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے (محمد)
لْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا	پر فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی کسوٹی)
۱:)	نازل کی تاکہ وہ سارے جہاں کو متنبہ کر سکے۔
لِّلْعٰلَمِيْنَ وَ	یہ تو سارے جہاں کے لیے ایک یاددہانی ہے اور
بَعْدَ حِيْنٍ	تم اس کی (سچائی کی) خبر کچھ عرصہ بعد ضرور
	جان لوگے۔
مِيْنَ لِمَنْ شَآءَ	یہ تو سارے جہاں کے لیے ایک تذکرہ ہے لہذا تم
(تکویر:۲۷-۲۸)	میں سے جو چاہے وہ سیدھا ہو جائے۔
نْ يَّشَآءَ ذَكَرَهُ	نہیں نہیں، یہ تو ایک سبق ہے، جو چاہے اس سے
۵۵)	عبرت پکڑے۔

اہ | یہ قرآن عظیم کی وہ تجلیاں ہیں جو عصر جدید میں پوری طرح ظاہر و
نورِ الٰہی سے روشن و منور کرنا چاہتی ہیں، لہذا بڑے ہی خوش نصیب
کی طرف لپکتے ہوئے کفر و الحاد کی تاریکیوں سے ہمیشہ کے لیے باہر
کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و مغفرت کے دروازے کھول دے گا۔
ش نصیبوں کے لیے حسب ذیل آیات میں بشارت سنائی گئی ہے کہ وہ
ے صراط مستقیم کی طرف آجائیں تو اللہ ان کے تمام گناہوں کو معاف
کے دن کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے۔

اَسْرَفُوْا عَلٰٓى	کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے
مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ	آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ	ہو جاؤ، اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش دے گا، کیوں
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى	کہ وہ بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم دل ہے، لہذا تم
رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ	اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول
يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ	کر کے) اس کے فرماں بردار بن جاؤ قبل اس
وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ	کے کہ تمہارے پاس (اللہ کا) عذاب آجائے،
رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ	تب تمہیں کوئی مہلت نہیں ملے گی، اس لیے تم
بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اَنْ	اتباع کرو اس بہترین پیغام کا جو تمہارے پاس
تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا	تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے، اس
فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ	سے پہلے کہ (اللہ کا) عذاب اچانک تمہارے پاس
كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ اَوْ تَقُوْلَ	اس طرح آجائے کہ تمہیں خبر بھی نہ ہو، (ایسا نہ ہو
لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ	کہ) کوئی شخص یہ کہنے لگ جائے کہ ہائے افسوس کہ
الْمُتَّقِيْنَ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى	میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی، کیونکہ میں تو (اللہ
الْعَذَابَ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ	کی ہدایت) کا مذاق ہی اڑاتا رہا، یا وہ یہ کہنے لگے
الْمُحْسِنِيْنَ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ	کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی اللہ والا بن
اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ	جاتا، یا وہ جب عذاب دیکھ لے تو یوں کہنے لگ
وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ وَيَوْمَ	جائے کہ کاش مجھے (پھر سے دنیا میں) واپس جانا میسر
الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى	ہو جاتا تو میں نیک آدمی بن جاتا بلکہ (واقعہ یہ ہے
اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ	کہ) تیرے پاس ہماری نشانیاں (دلائل ربوبیت)
فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ	آچکے تھے، مگر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور پھر تو
وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا	منکر بن گیا، (غرض اے مخاطب) تو قیامت کے دن
بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا	ان لوگوں کو دیکھے گا جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ	تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہو چکے ہوں گے، تو کیا
	جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ اور

بیّنات ومَا . ہم نے آپ کے پاس کھلے کھلے دلایل بھیج دیے ہیں، جن کا انکار بدکردار لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ (بقرہ:۹۹)

اللہ ان لوگوں کو نجات سے ہم کنار کرے گا جنہوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا، ان کی کامیابی کی بنا پر انہیں (کوئی) تکلیف نہیں ہوگی اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

بیّنات یُرِیْدُ اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ اتارا ہے اور اللہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو (ہدایت کا) ارادہ کرتا ہے۔

حواشی

...ن حنبل (بحوالہ شفاء الغلیل، از علامہ ابن قیم، ص ۲۳، مطبوعہ مصر)۔

(۳) صحیح مسلم، ۴/۲۰۴۴، مطبوعہ ریاض۔ (۴) دیکھیے شرح فقہ اکبر، ...

...اویہ، ص ۲۲۵، مطبوعہ سعودی عرب۔

ارض القرآن (مکمل)

از مولانا سید سلیمان ندویؒ

...ب ایک ہی جلد میں شایع کیے گئے ہیں، حصہ اول میں عرب کا ...اب الا یکہ وغیرہ کے حالات، قدیم یونانی، رومی اور اسرائیلی ...ئے ہیں، حصہ دوم میں بنو ابراہیم کی تاریخ پر قرآن مجید، توراۃ ...کے مطابق تحقیقات و مباحث ہیں۔ قیمت: ۱۳۸/روپے

بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب

از جناب فخر عالم صاحب ☆

تخت طاؤس کے مالک شہنشاہ شاہ جہاں جب ہندوستان میں داد حکمرانی دے رہے تھے اور سترہویں صدی کا نصف اول گذرنے کو تھا کہ عظیم آباد (پٹنہ، بہار) میں عبدالقادر بیدل پیدا ہوئے (۱)، اس وقت شاہ جہاں کی شان و شوکت انتہائی عروج پر تھی، ملک میں امن و امان اور خوش حالی کا دور دورہ تھا، تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ حاصل تھا اور مختلف قسم کے فنون آزادانہ طور پر بھی اور دربار شاہی کی سرپرستی میں بھی خوب ترقی پذیر تھے، علم و ادب پر بھی ان دنوں بہار آئی ہوئی تھی، اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں کئی ممتاز اہل علم اور بڑے بلند فطرت، شاعروں اور ادیبوں کا پتہ چلتا ہے، جہاں پر یہ ذہین و طباع بچہ پیدا ہوا تھا وہاں علم و فن کی روایت پہلے سے موجود تھی،

---

(۱) پٹنہ کا قدیم نام عظیم آباد ہے، قبل مسیح موریا عہد حکومت میں اس کا نام پاٹلی پتر بھی رہ چکا ہے، کچھ دانش وروں کا قیاس ہے کہ بیدل کی جائے پیدائش اکبر نگر، ضلع بارڑہ، نزدیک پٹنہ اور کچھ کے نزدیک اکبر نگر راج محل، ضلع بھاگل پور (بہار) ہے، مگر تذکروں اور دیگر حوالوں میں وہ عظیم آبادی یا دہلوی کے نام سے مشہور ہیں۔

(معارف) مرزا بیدل کے وطن کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف اگست ۱۹۴۶ء میں ایک محققانہ مضمون لکھا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ خوش گو نے ان کو "اکبرآبادی الوطن" لکھا ہے، میر غلام علی آزاد نے اپنے تین تذکروں ید بیضا، سرو آزاد اور خزانہ عامرہ میں ان کی جائے پیدائش تصریح کے ساتھ پٹنہ عظیم آباد لکھی ہے، علی قلی ہدایت نے دہلوی، نصر آبادی نے لاہوری لکھا ہے، میر قدرت اللہ قاسم نے بیدل کو بخاری المولد لکھا ہے، جس کو سب سے عجیب بیان بتایا ہے، سید صاحب کی تحقیق میں بیدل کا مولد و منشا صوبہ بہار تھا جس کا دار الحکومت عظیم آباد پٹنہ تھا، باقی اقوال کی انہوں نے مناسب توجیہ کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ "بیدل کو صوبہ بہار سے موروثی تعلق تھا اور اگر اس کو عظیم آبادی کہنے میں تامل ہو تو بہاری کہنے میں تو مطلق تامل نہیں (معارف اگست ۱۹۴۶ء، ص ۹۴)۔

☆ شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

یب ہی بدھوں کا مشہور و معروف علمی مرکز نالندہ تھا (۱) اور
تھا جو کسی زمانے میں شرقی بادشاہوں کا پایہ تخت اور علم و دانش
وسیع علمی مرکز ہونے کی بنا پر اسے دور دراز تک شہرت حاصل
م و فنون بڑی بالغ نظری سے پڑھائے جاتے تھے، عظیم آباد
ادی خوش حالی اور ثقافتی ترقی سے متمتع ہو رہا تھا، اس لیے اپنی
یب ہوا اس میں انہیں اپنی تربیت و ترقی اور ذہنی و دماغی نشو

یدل مغل نژاد تھے، ان کے آباو اجداد کا پیشہ سپہ گری تھا، اپنے
الدین کے وفات پا جانے کے بعد انہوں نے پرورش پائی،
ے کے لحاظ سے بڑے مشہور تھے، صغر سنی ہی سے بیدل نے
ف کی، شاہ زادہ شجاع کی افواج کے ساتھ جنگ میں حصہ
فواج کو اورنگ زیب کے ہاتھوں شکست ہوئی تو ہزیمت کی
، یہ بہادر اور جفاکش مغلوں کا فرزند صحت جسمانی کی خاطر

ے ساتھ مقابلے میں دوڑا اور آگے نکل گیا، دہلی میں رہتے
پال رکھا تھا اور جن دنوں بیدل شاہ زادہ اعظم شاہ کی فوج
شیر کا مقابلہ کیا اور اسے مار گرایا، خود اورنگ زیب، جس کے
ں کے کوئی پچاس سال گذارے، بڑا شجاع اور بہادر انسان
نفس پورے آٹھ قلعوں کا محاصرہ کیا اور فتح یاب رہا۔
اپنی اس جسمانی قوت و استعداد کے باوجود بیدل نے

(۱) درس گاہ تھی جو نکچھلا کے بعد سب سے مشہور و معروف درس گاہ تھی
دنیا سے طالب علم جوق در جوق آتے تھے، یہاں بدھوں کی تعلیم پر
تعمیر گپت حکمراں کمار گپتا (۴۱۴-۴۵۵ء) نے کرائی تھی۔

اپنے آباو اجداد کا پیشہ اختیار نہیں کیا، وہ نہایت ہی مختصر وقت کے لیے فوج میں ملازم رہے اور مستعفی ہو گئے تاکہ درویشانہ زندگی بسر کریں، ایسا کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے والد بزرگوار میرزا عبدالخالق کا نمونہ تھا جو ابتدائے عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے اور بعد میں ریاضت و مجاہدے کی کثرت کی بنا پر مسند ارشاد پر بھی فائز ہوئے، بیدل کے چچا میرزا قلندر بھی صوفی تھے، اس لیے بچپن ہی سے ایسی فضا میں سانس لینے لگے جس میں تصوف کے اثرات غالب تھے، ان اثرات کو اور بھی زیادہ تقویت حاصل ہوئی جب انہیں ان ارباب تصوف کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا جو ان دنوں بہار کے علاقے میں اقامت پذیر تھے، تصوف کے زیر اثر بیدل کا رجحان فلسفے اور حکمت کی جانب ہو گیا اور وہ صوفیہ کی صحبتوں میں مابعد الطبیعیات سے متعارف ہوئے اور غزالی، ابن عربی، رومی اور مجدد الف ثانی وغیرہ کے مطالعے سے ان کے خیالات و معلومات میں اضافہ ہوا، فلسفہ و تصوف میں ان کی نظر وسیع ہوئی اور عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے علم و فکر میں پختگی آتی گئی۔

سیاحت بیدل کی نسلی خصوصیات نے ان کی شخصیت کو حرکی بنا دیا تھا، اگرچہ تصوف ان کا شعار زندگی تھا جو عموماً حرکت کے منافی ہوتا ہے لیکن وہ آزادی کے ساتھ گنگا اور سندھ کے میدان میں پھرا کرتے تھے اور گوشہ نشینی اور عزلت سے متنفر تھے، اپنے چچا اور ماموں کے ساتھ رانی ساگر، آرہ، مہیسی، کٹک اور کساری بھی گئے، بہار اور اڑیسہ کو خیر باد کہنے کے بعد پورے بیس سال تک وہ دہلی، اکبر آباد اور متھرا کے درمیان چکر لگاتے رہے اور پنجاب کی سیر کے لیے بھی آئے اور حسن ابدال تک پہنچے، ۱۶۸۵ء/۱۰۹۶ھ کے بعد جب وہ مستقل طور پر دہلی میں رہائش پذیر ہو چکے تھے تو ہیراک کی سیر کے لیے گئے، ۷۷ سال کی عمر میں انہوں نے اپنی زندگی کا آخری کا سفر پھر پنجاب کی طرف کیا، متواتر سیر و سفر کی وجہ سے بیدل کو ذاتی طور پر ہر قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا اور ہر خیال کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، بیدل مختلف طبقوں اور متنوع پیشوں کے لوگوں سے ملتے اور گفتگو کرتے تھے، اعلیٰ و ادنیٰ، غریب و امیر، ہندو اور مسلمان غرض ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے، جنگ کی صعوبتیں بھی جھیلیں اور ایک عمر تک امن و امان کے ثمرہائے شیریں سے بھی لذت اندوز ہوئے، اس سے ان کی فکر و نظر میں بڑی وسعت

ہر طرح کے معلومات وتصورات کا ذخیرہ جمع ہوگیا، چنانچہ زندگی کے
یت ہی قیمتی تجربوں کا خزانہ ہوگیا تھا۔

۲ سال کی عمر میں بیدل نے صوبہ بہار کو الوداع کہا اور دہلی وارد ہوئے
ر و مددگار تھے لیکن ۲۶ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی دارالسلطنت
ان کی رسائی ہو چکی تھی اور وہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے
ری کے دور کن عاقل خاں رازی اور نواب شکر اللہ خاں اس نوجوان
اور جب تک زندہ رہے، بیدل کے لیے ان کا جذبۂ احترام بڑھتا
ں ملازم نہیں ہوئے تھے اور نہ انہیں کوئی منصب ہی ملا تھا کہ ایک
ان سے ملاقات ہوئی، رسانے بیدل کی شخصیت کا اثر ایک ہی لفظ
ے بیان کر دیا۔

بے احساس، پر مغز گفتگو اور پر لطف انداز بیان سے بڑا متاثر ہو جایا
اذبیت میں ان کی سیرت و کردار کو بھی دخل تھا، زندگی بڑی سادگی
ت میں رفعت تھی، طبیعت آزاد تھی، جذبۂ لطف و کرم وسیع تھا، ہر
سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا، ان کی بلند سیرت اور ذاتی جاذبیت کی
نی و اعلیٰ، امیر و غریب، مہذب و شائستہ، معمولی اور کم سوجھ بوجھ
کے لیے یکساں طور پر کشش کا باعث تھا اور شام کے وقت ہر طبقے
مجمع لگ جاتا تھا، ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل کی ذات عوام و
ت مندی کا مرکز بنی ہوئی تھی اور اس لحاظ سے وہ اپنے عہد کی ایک
نسبات سے خالی تھا اور طبیعت فیاض تھی، بہت سے ہندو ان کے
ت عزیز رکھتے تھے اور یہ تعلق یک طرفہ نہیں تھا، ان کے شاگردوں
لیے اسی قسم کے مخلصانہ جذبات پائے جاتے تھے، بالخصوص بندرابن
اور آنند رام مخلص ان کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کرتے تھے۔
بچپن ہی سے غور و فکر کے عادی تھے۔ ان کے چچا میرزا قلندر نے انہیں

مکتب سے اٹھا کر اس کام پر لگا دیا کہ گھر بیٹھ کر اساتذہ فارسی کے کلام کا مطالعہ کریں، غور و فکر کی طرف بیدل کا یہ پہلا قدم تھا کیوں کہ ہر شام انہیں اپنے چچا کو دن کے مطالعے کا انتخاب سنانا پڑتا تھا، خوش گو نے لکھا ہے کہ بیدل تمام روز گھر کے اندر رہتے تھے اور غور و فکر میں مستغرق رہ کر اپنے خیالات کو نظم کی صورت میں قلم بند کرتے رہتے تھے۔

لطف و مزاج سے دل چسپی بیدل کی زندگی میں لطف و مزاج کا عنصر بھی تھا، انہیں نغمہ و سرود سے لگاؤ تھا اور کبھی کبھی بربط و نے کے شیریں نغموں سے فردوس گوش کا سامان حاصل کرتے تھے، ایک رقعے میں وہ اپنے ایک دوست میرزا فضائل سے ایک بربط کی فرمائش کرتے نظر آتے ہیں، شام کی مجالس کے لمحات بھی خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی کی نذر رہتے تھے، خاص طور پر جب کبھی ان کے شاگرد عطا ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بیدل انہیں اپنی تصنیفات میں سے مزاحیہ اشعار اور ہزلیات بڑے ذوق و شوق سے سناتے اور لطف اٹھاتے، ان کی عادت تھی کہ اپنی تحریر کے انداز، تجربے اور فنی باریکیوں کے متعلق جا بجا اشارے کرتے جاتے، شاعر اور شعر کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے اسے بیدل ایک مصرعے میں بڑی خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں ؎

گرہ کشائی سخن ور سخن بود بیدل

فکر و اسلوب وہ بچپن میں بہار اور اڑیسہ کے جن صوفیائے کرام کے زیر اثر رہے، ان کی وجہ سے ان کے دل میں صرف جذبۂ تصوف ہی پیدا نہیں ہوا تھا جو بعد میں ان کی تمام نگارشات کا باعث بنا بلکہ ان کی بہ دولت ان کی قوتِ بیان میں بھی اضافہ ہوا، یہ جذبہ نقطۂ عروج پر اس وقت پہنچا جب دہلی میں رہتے ہوئے، ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۵ء میں انہیں شاہِ کابل سے ملاقات کرنے کا اتفاق ہوا۔

بیدل نے اپنی پہلی مثنوی ''محیط اعظم'' ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء میں لکھی (۱) اگر ہم اس نظم کا مطالعہ کریں تو نظر آتا ہے کہ شاعر کے چشمۂ حیات میں ہیجان رونما ہو چکا ہے، اس لیے ان کے اندازِ بیان میں جوش اور توانائی کا وفور ہے، بیدل کے احساسات اور جذبات کی اس کیفیت کا سبب

(۱) فیض بیدل: تالیف ڈاکٹر عبدالغنی، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، پاکستان، ۱۹۸۲ء، ص ۳۲۔

مثنوی کے مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے:۔
دم کجاست؟ اگر ہست آدم بعالم کجاست؟ (۱)
ل وادبار کی گھٹا چھائی ہوئی دکھائی دیتی تھی، وہ علما سے ناخوش اور
خلاص اور مذہبی حمیت سے خالی تھے اور وہ اس بات کو دیکھ کر سخت
کم راں لوگ بڑے ظالم اور سنگ دل تھے، اس مثنوی میں وہ ایک

ادہ نیست زعدلش عنان عبرتی دادہ نیست
ہا پر آب زبیداد ظلمش جگرہا کباب (۲)
ہی کا جو ہالہ بچپن کے خوش آیند حالات کی وجہ سے بیدل کے گرد
م کافور ہوگیا، چوں کہ دار الخلافۂ دہلی میں وہ نووارد تھے، اس لیے
ر کی زندگی کے حالات کے درمیان انہیں واضح تضاد نظر آیا، پستی
ں وسیع نظارے نے ان کے دل میں انگیخت پیدا کی کہ وہ اپنے
کوشش کریں، اس لیے زندگی بھر وہ بڑے جوش اور انہماک کے
ہم عصروں کو ہمہ گیر فلسفۂ حیات عطا کریں، اس طرح بیدل کو
ل گیا اور اس موضوع کے ارتقا میں زندگی کے ابتدائی برسوں میں
یت اور ان کے معاصرین کے مایوس کن حالات کا برابر حصہ تھا، اپنا
ف کردیا کہ انسان کو کائنات میں اپنا مقام حاصل کرنے کی ترغیب
ر دعوت الی الحق دی اور اسے بتایا کہ خدا کے بعد کائنات میں اپنے
ں کی بنا پر صرف اسی کو اہمیت حاصل ہے، انہوں نے ہر قسم کے دلایل
ث نبوی سے استدلال کیا اور مختلف مسلم اور غیر مسلم مفکرین کے خیالات
استعمال پر آمادہ کیا، یہ ایک بہت بڑا کام تھا، فی الواقع انہوں نے
شاعر اس سے زیادہ بہتر کا تصور نہیں کرسکتا تھا، صوفی کی کیفیت

(۲) ایضاً ص ۲۳۔

اور حیثیت سے ان کی تربیت نے انہیں وجدانی تجربات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی تلقین کی تھی، اس لیے جب انہیں نوعِ انسانی کو مخاطب کرنا پڑا تو انہوں نے پورے جوش و خروش سے کام لیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شاعر نے کس طرح اپنے بہترین موضوع کو اعلیٰ ترین فصاحت کے ساتھ بیان کیا، بیدل کہتے ہیں:۔

اصل معنیست کز تقاضایش لفظ می بالد و ادا ہایش

صرف ایک اعلیٰ درجے کا ادیب ہی اسلوب کی حقیقت اور خاص الفاظ کی طرف ایک شاعر کے میلان کا سبب اس عمدگی سے بیان کرسکتا تھا جس کا اظہار بیدل کے اس شعر سے ہوتا ہے، فی الحقیقت اس شعر کے ایک ایک لفظ میں دنیائے معانی پنہاں ہے اور ذرا غور کرنے سے اسلوب کی تمام داستان آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ جاتی ہے، الفاظ اور تراکیب کے ارتقا پر یہاں مجملاً غور کرنے سے ہم پر واضح ہوگیا ہے کہ کس طرح بیدل نے فارسی زبان کو ایک قیمتی ذخیرۂ الفاظ عطا کیا، بیدل نے زیادہ تر ان احساسات، جذبات اور خیالات کو بیان کیا جو انہوں نے زندگی کے حقیقی تجربے سے حاصل کیے تھے، اس میں بڑی تازگی و جدت تھی اور انہوں نے اس تجربے کو ایسا اسلوبِ شاعری اختیار کرکے بیان کیا جو زبان کی شیرینی اور تازگی سے لبریز ہے، موزوں الفاظ کی تلاش میں اکثر و بیشتر بیدل وہ لفظ ڈھونڈ لیتے ہیں جو معلوم ہوتا ہے اسی خیال کے لیے بنا تھا اور پھر اسے اس خوبی سے استعمال کرتے ہیں کہ وہ خیال خود بیدل کی جایداد بن جاتا ہے، اپنی مثنوی ''عرفان'' میں جب بیدل آدم کے جنت سے ہبوط کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے قلم سے مندرجہ ذیل شعر نکلتا ہے:۔

چوں دریں تیرہ خاکدان افتاد آفتابی ز آسمان افتاد

مشاہدے سے تعلق رکھنے والے درخشاں الفاظ کا استعمال بیدل نے یہاں اتنے موثر پیرایے میں کیا ہے کہ یہ خیال ان کی ذاتی ملکیت بن گیا ہے اور استعارہ نہایت برمحل ہے، فی الواقع خیال اور اس کا بیان ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوتے ہیں، ان کے اس رشتے سے بیدل بہ خوبی واقف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح رنگ و بو کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا اسی طرح معنی و بیان کا بھی چولی اور دامن کا تعلق ہوتا ہے:۔

کن بیدل　　بہاراین جاست سامانش دروں بوئی بروں رنگی

یان کو لاشہ بے جان تصور کرتے ہیں اور اپنے عہد کے تازہ گو
یہی تھا کہ ان کی شاعری جملہ محاسنِ بیان سے آراستہ و پیراستہ
ے، اس لیے اس میں روح اور حرکت موجود نہیں، اسلوب کے
امنے رکھا، موزوں تشبیہات اور مناسب استعارات کا استعمال
کے مطابق کیا، ان کے اوزان بھی اس عام اصول کے پابند اور
تے ہیں، یعنی شاعر کے وقتی احساس کا قدرتی لب و لہجہ بن کر
ے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو:۔

ں شگفتنہا　　سر آبی و سیر روغن ہا

ں کرتے ہیں جو ان کے احساسات کی بوقلمونی کا اظہار کریں،
ہ وہ خود کہتے ہیں، معنی اور صورت ساتھ ساتھ نشو ونما پاتے ہیں،
ا ہوتے ہیں، ان کے لیے جن استعارے اور تشبیہ کو استعمال میں
جامہ اختیار کرتے ہیں، ان کے ساتھ ان کو فطری مناسبت ہوتی
جامع نظریۂ اسلوب کی پابندی بیدل کو اس بلند مقام پر فائز کرتی
منزلت شعرا بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے ہمہ تن احترام بن جاتے
تے ہیں، بیدل کے اندازِ بیان میں زور اور طاقت ہے، جس کے کئی
حول، ان کی خاندانی روایات، اور ان کی جرأت ذاتی نے ان کی
اور یہی اوصاف قدرتی طور پر ان کے اندازِ بیان میں بھی منتقل
یان کو پُرزور بنانے کے لیے بیدل نے صنایع اور بدایع سے بھی
یقت کے لیے امیر خسرو اور صائب کے تتبع میں انہوں نے مثالیہ کا
ہے، وہ اس مقصد کے لیے الفاظ کی تکرار کو بھی کام میں لاتے ہیں،
ب وہ کہتے ہیں کہ انسان ایک حل طلب معمہ ہے تو اپنے بیان میں
نظی سے کام لیتے ہیں:۔

معمائی معمائی معما　　اگر خواہی کشودن چشم بکشا

اگر ہم بیدل کی نظموں کا ایک ایک کر کے بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا شاعرانہ الہام یا تو تفکر اور استغراق کا نتیجہ تھا یا ان کی شخصیت پر کسی خارجی شے یا واقعے کا اثر ہوا ہے اور ان کی طبیعت میں اعلیٰ درجے کے فنی عمل کے لیے انگیخت پیدا ہوگئی ہے، لیکن چوں کہ شاعر کی شخصیت میں ہم آہنگی تھی، دونوں صورتوں میں اس کے اصل موضوع میں کوئی تغیر یا تبدل رونما نہ ہوا، پارۂ ماسبق میں مختلف نوعیت کے جو دو محرکات بیان ہوتے ہیں:۔

شب مہتاب ذوق گریہ دارد فیضہا بیدل　　کدامیں بیجبر روغن ندارد از چنیں شیری
گر ہمہ برخاک پیچد عشق حسن آرد بروں　　کوشش فرہاد آخر کرد شیریں سنگ را

یہ شعر داخلی عنصر پر زور دیتا ہے، پہلے یہ بات واضح ہوچکی ہوگی کہ بیدل کسی خاص نظریے کے پابند نہیں تھے بلکہ فن کے سلسلے میں خارجی اور داخلی اثرات ہر دو کی اہمیت کے قائل تھے، اصل اور حقیقی احساسات اور جو اس وقت طبیعت پر طاری ہیں، نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر آرہے ہیں، احساسات غم کے ہوں یا مسرت کے، ان کے مطابق قدرتی طور پر انہیں درد و کرب یا فرحت و انبساط سے سابقہ پڑتا ہے، جوں جوں نظم پھیلتی ہے، خیالات بھی وسعت پذیر ہوتے چلے جاتے ہیں، مناسب الفاظ اور ترکیبیں بیان کی ضروریات کے مطابق خود بہ خود سامنے آتے چلے جاتے ہیں، خیالات اس کثرت سے امنڈ آتے اور اس قدر غیر محدود ہوتے ہیں کہ الفاظ کی حدود میں نہیں سما سکتے اور بعض اوقات جو قلمی تصویر وہ کھینچنا چاہتے ہیں وہ اس قدر مثالی ہوتی ہے کہ الفاظ کے قالب میں نہیں ڈھل سکتی، چنانچہ بیدل بے تاب ہوجاتے ہیں اور بڑے دردناک لہجے میں پکار اٹھتے ہیں:۔

بیدل بیاد سرو تو در خون تپید لیک　　بنوز وں نگشت یک الف از مشق آہ او

ان کی آواز دردمند دل سے نکلتی ہے، اس لیے تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے:۔

بیدل خونیں جگرم بلبل بے بال و پرم　　نیست در غم کدہ ہا نالۂ من بے اثری

اور ایک غم گین اور مستمند دل ہی ان کی حقیقت سے آگاہ ہوسکتا ہے:۔

تب و تاب اشک چکیدہ ام کہ رسد بمعنی راز من　　ز شکست شیشۂ دل مگر شنوی حدیث گداز من

کے درد و الم کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ان کے مطالعے کے بعد یہ
زندگی کے دوران میں بیدل کو کس قدر جگر فرسا کیفیات کا تختۂ مشق بننا
خت سوز و تپش میں مبتلا رہا، بیدل کی پہلی مثنوی ''محیط اعظم'' ہے جو
ء میں لکھی، چوں کہ ان کی یہ اولین طویل نظم تھی، اس کا پلاٹ وحدتِ
وں مثنوی آگے بڑھتی ہے، جذبے کی یکسانیت اور اتحادِ فکری کی بنا پر
ہے کہ مثنوی اپنے اندر ایک خاموش وحدت رکھتی ہے، انہوں نے اپنی
دو سال بعد لکھی، یہ ایک تمثیلی نظم ہے اور اس لیے وحدت و ہم آہنگی کا
رکت، مکالمہ اور حسی تصورات کے ذریعے دل چسپی قایم رکھی گئی ہے،
ور معرفت'' ہے جو گیارہویں صدی ہجری کے خاتمے کے قریب لکھی
تمام پر کہا ہے:۔

خیالی را بہاری نقش بستم

یں باہم پیوستگی پائی جاتی ہے اور اگر چہ یہ ایک واحد سادہ تأثر کا بیان
ہے وہ بڑا پر کار اور تفصیلات سے لبریز ہے، بیدل کی آخری اور طویل
ہے جو ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء میں مکمل ہوئی، اس نظم کے لکھنے میں بیدل نے
دو مثنویوں پر مشتمل ہے، ایک ''مرآت الہٰد'' جو بالکل مختصر سی ہے اور
ل الذکر فلسفیانہ زیادہ ہے اور شاعرانہ کم ہے، یہ نظری امور سے بحث
سفیانہ اور مابعد الطبیعی معلومات بہم پہنچانا ہے، اس میں عمل و حرکت کی
ضیحی حکایات ہی موجود ہیں، اگر چہ شاعر نے بعض مقامات پر تخیل سے
لیکن چوں کہ مثنوی کا موضوع تنزلات اور تعینات کا فلسفہ ہے جو انتہا
ہے، اس لیے مثنوی کا مطالعہ سخت صبر آزما ہے، تاہم مثنوی میں ہم آہنگی
اس کی بھینٹ چڑھ گیا ہے، ''عرفان'' بیدل کی سب سے خاص طویل
کئی دل کش مناظر، غیر فانی، دل چسپی رکھنے والی بہت سی کہانیاں،
ور متعدد کردار اور مختلف اقسام شاعری یعنی منظر نگاری، بزم اور رزم

اور فلسفہ و حکمت، بوقلموں فلمی تصاویر کی طرح یکے بعد دیگرے نگاہوں کے سامنے آتے جاتے ہیں، علاوہ بریں انداز بیان بے حد شاعرانہ ہیں، مصنف نے خشک فلسفے سے گریز کیا ہے، معنی و صورت عجیب متوازن طریقے پر جلوہ گر ہیں اور کہیں کہیں تو خیال کی گہرائی اور صفائی، جذبات کے وفور اور الفاظ کے معتدل استعمال کی وجہ سے اندازِ بیان سحر حلال کی کیفیت اختیار کر لیتا ہے، اس نظم میں واقعی شاعر اپنے اوجِ کمال پر دکھائی دیتا ہے اور وہ فردوسی، رومی، نظامی اور دوسرے عظیم شعرا کے ہم پایہ اور برابر نظر آتا جو طویل نظمیں لکھنے میں یدِ طولی رکھتے تھے۔

اگر ہم ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے کلام کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے اشعار ان کے فلسفیانہ خیالات میں رنگے ہوئے ہیں، مثنوی ''طور معرفت'' پر غائر نگاہ ڈالنے سے واضح ہو جائے گا کہ انسان کے متعلق عالم اکبر ہونے کا نظریہ کس طرح تمام مثنوی میں ایک مخفی رو کی طرح جاری و ساری ہے، اسی طرح ان کی باقی مثنویات، تمام غزلیات اور ان کے قصاید وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے تو ہر جگہ یہی حقیقت کارفرما نظر آتی ہے:۔

دل ہر قطرہ گر دابسیت غواصِ حقیقت را　　تامل در بن ہر موگرہ صد بار می بیند
خیال آشفتگی تحمل اگر شود صرف یک تامل　　دل غباری و صد چمن گل نگاہ موری و صد چراغاں

بیدل مسلمانانِ ہند کے عظیم تہذیبی اور ثقافتی ورثے کی پیداوار بھی ہے اور اس کا نمایندہ بھی اس کے وجدان میں اس کا اپنا عہد اپنی پوری پہنائیوں کے ساتھ موجود ہے اور اپنے زمان و مکان سے بالاتر ہو کر وہ مستقبل پر بھی نگاہ ڈالتا ہے اور ان حقایق کو پالیتا ہے جن تک اکیسویں صدی کے اختتام پر لوگوں کی اب رسائی ہو رہی ہے، بیدل کے فکر و فن کے کئی پہلو ہیں، ایک سے ایک ارفع اور اعلیٰ، اس لیے بیدل کو متعارف کرانے کی ہر کوشش ناکام نظر آتی ہے، بیدل پر ان کا اپنا شعر صادق آتا ہے:۔

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما　　چہ قیامتی کہ نمی رسی ز کنارِ ما بہ کنار ما

بیدل کا دور دورِ غزل تھا اور اس میں انہوں نے خوب جولانی طبع دکھائی، کم و بیش ساٹھ ہزار شعر کہے ہوں گے (۱)، ان کی مثنویات کے نام ''محیط اعظم، طلسم حیرت، طور معرفت، عرفان اور

(۱) مطالعہ بیدل: تالیف تحسین فراقی، پاکستان، مقدمہ، مولف نے یہ علامہ اقبال کے ذاتی نسخہ کے حوالے سے لکھا ہے جسے وہ خود نہ دیکھ سکے مگر ایک قلمی نسخہ جو تحسین صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں ہے، اس میں کم و بیش ۳۲ ہزار اشعار ہیں۔

''ہربرٹ ریڈ'' نے اپنے ایک فاضلانہ مقالے میں بڑی خوبی کے ساتھ یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ ان دو کے درمیان کوئی تضاد نہیں پایا جاتا، وہ کہتے ہیں کہ چوں کہ اس قسم کی شاعری عقل کی فتح وکامرانی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے جو اسے جملہ علوم اور عملی تجربات کو ایک مربوط نظام فکری عطا کر کے حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس میں بڑی توانائی موجود ہوتی ہے، اس نوع کی شاعری ایسے خیالات کو ادا کرتی ہے جن کی اہمیت کا احساس شاعر کے دل میں بڑی شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے، بیدل کی شاعری کے متعلق یہ بنیادی نکتہ ہمیں بتاتا ہے کہ فن کے متعلق ان کا کیا نقطۂ نظر تھا، وہ ان شعرا میں سے نہیں تھے جو صرف فن برائے فن کے قائل ہوتے ہیں، شعرگوئی میں اپنی بے نظیر مہارت وہ کسی اعلیٰ تر مقصد کے حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے، ایک ایسا مقصد جو فن سے بدرجہا بالاتر تھا، ان ہم عصر شعرا جنہیں اپنی تازہ گوئی پر ناز تھا، صرف بیان کی نزاکتوں کے دل دادہ تھے لیکن بیدل کے سامنے کوئی اور مقصد تھا، وہ کہتے ہیں:۔

عرض مطلب ز دیگر و اظہار صنعت دیگر است   بیدل از آئینہ نتواں ساخت وضع جام را

وہ چاہتے تھے کہ ان کا فن صرف ان کے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنے، دوسرے الفاظ میں ان کے خیال کے مطابق ابلاغ ہی اسلوب ہے، زندگی میں ان کا ایک مقصد تھا، وہ انسانیت کبریٰ کا احیا چاہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ ان کا فن ان کے مقصد رفیع کے تابع ہو، ان کے عہد کے دوسرے شعرا شہنشاہوں اور شاہ زادوں کی مدح گوئی کیا کرتے اور قصاید میں اپنے غیر حقیقی خیالات بیان کیا کرتے تھے لیکن ان کے قلم سے جو مصرع بھی نکلا ان کے خلوص دل کی آئینہ داری کرتا تھا، اس لیے وہ اپنے آپ کو مداحِ فطرت کہا کرتے تھے، انہوں نے نہ تو ملوک کی قصیدہ نگاری کی نہ وہ آرٹ کی دیوی کے ہی پجاری بنے، بلکہ انہوں نے اپنی غیر معمولی شاعرانہ صلاحیتیں انسانی فوز و فلاح کے لیے استعمال کیں اور یہ بے نظیر کارنامہ انہوں نے اس عہد میں انجام دیا جب کسی کے دل میں یہ خیال تک موجود نہ تھا کہ آرٹ کو ارفع و اعلا مقاصد کے لیے بھی وقف کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ خوش گو نے اپنی تصنیف ''سفینۂ خوش گو'' میں لکھا ہے اور جناب واحد اپنی تصنیف ''اقبال اور ان کا اسلوب اور فلسفہ'' میں تحریر کرتے ہیں، یہ بات بیدل کے لیے مایۂ افتخار ہے کہ انہوں نے ابن عربی اور اسی قسم کے دوسرے مصنفین کی تجریدی فکر کو نہایت ہی شاعرانہ انداز میں بیان کیا اور اس مقصد کے

ی گل زرد نایاب ہے (۱)۔
ں کے مولف بھی نرائن شفیق لکھتے ہیں، وہ میرزا موصوف کے ساتھ
یں ان کے تذکرے کا یہ اقتباس خاص توجہ کا مستحق ہے (۲)، میر
' میں انہیں تورانی الاصل کہتے ہیں (۳)، بیدل کا مولد عظیم آباد
ے پہلے تذکرہ نگار میر غلام علی آزاد بلگرامی ہیں (۴)، محمد شفیع نگینوی
پور، بہار) لکھا ہے (۵)۔
دل کی زندگی کے بہت کم حالات اور واقعات ملتے ہیں، خود ان کے
گئے ہیں جن میں کلمات الشعرا، سرو آزاد خاص طور پر ممتاز ہیں، لیکن
م لیا گیا ہے، دیگر پرانے تذکروں میں بھی ان کا ذکر موجود ہے، مثلاً
ع النفائس، ریاض الشعرا وغیرہ، لیکن ان سب کے مصنفین سے ہمیں
تحقیق سے کام نہیں لیا اور بالکل متضاد بیانات درج کر دیے ہیں اور
نہایت ہی اہم واقعات کو بھی پردۂ خفا سے باہر نہیں لا سکے ہیں، اس
الِ حیات سے واقفیت حاصل کرنا بڑا مشکل ہے۔
میں ایسے اشعار کی بڑی بہتات ہے جن کو ایک ایسا مفکر ہی کہہ سکتا
ے کا عادی ہو، توجہ سے دیکھنے پر یہ امر منکشف ہوجاتا ہے کہ بیدل
ں تجربہ پس منظر کا کام دیتا ہے، اگر مثنوی ''عرفان'' کا افتتاحیہ دیکھا
العہ کیا جائے جس میں بیدل نے انسان کو مخاطب کیا ہے تو واضح
بڑا پرزور ہے اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی الم نشرح ہوجائے گی کہ ان
ی ہے، اس لیے ہم بیدل کے یہاں جس صنف شعر کا بھی مطالعہ
فکر شاعر پنہاں دکھائی دے گا۔

راغنی، مجلس ترقی لاہور، پاکستان، ص ۱۳۱۔ (۲) رسالہ اردو، کراچی ۱۹۶۹ء،
ت اللہ تاسم، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۳ء، ص ۱۱۵۔ (۴) سرو آزاد، مولف میر آزاد
۱۰۔ (۵) ایضاً، مولف میر آزاد بلگرامی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۷ء، ص ۲۴۔

ے حسنِ بیان کو بڑی خوبی کے ساتھ استعمال کیا، اس لیے بیدل کے
ہوگا کہ اس کے کلام میں انتہا درجے کے مربوط نظام فکر کو نہایت ہی
ے، ظاہر ہے کہ فارسی ادب میں بیدل نے ایک بڑا سرمایہ چھوڑا تھا،
ات اور بیان کی شیرینی کے امتزاج میں ایسی مہارت کا اظہار کیا
ر نگاہ سے بیدل ان شعرائے عالم کی صف میں نظر آتے ہیں جنہوں
کے شاعرانہ انداز میں بیان کر کے ابدی شہرت حاصل کی۔

حوالے

ی، ص ۳۶۶۔ (۲) خزانہ عامرہ، مولف آزاد بلگرامی، ص ۱۵۲۔
ں خوش گو، بحوالہ معارف مئی ۱۹۴۲ء، ص ۳۵۸۔ (۴) تذکرہ بے نظیر،
) مرآۃ واردات، مولف شاہ محمد شفیع نگینوی۔ (۶) چہار عنصر، مولف
رقعات بیدل، لکھنؤ ایڈیشن، ص ۸۱۔۸۲۔ (۸) برٹش میوزیم لندن
ر برگ ۷۳۷ (الف) ۸۳۸ (ب)۔ (۹) کلمات الشعرا، مولف
ق، مولف حسین قلی خاں، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، برگ ۲۴۷۔
ں خوش گو، مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمٰن، پٹنہ ۱۹۵۹ء۔ (۱۲) فیض بیدل،
کلب روڈ، لاہور، جون ۱۹۸۲ء۔ (۱۳) تصنیفات بیدل، مولف
رسی، مولف استاد خلیل اللہ خلیلی، افغانستان۔ (۱۵) نقد بیدل، مولف
ف کابل، ۱۳۴۳ھ۔ (۱۶) بیدل شناسی، مولف پروفیسر غلام حسن
)، مولف میر محمد آصف انصاری۔ (۱۸) احوال و آثار میرزا عبدالقادر
۱۹) قرآن و تصوف، مولف میر ولی الدین۔ (۲۰) معارف النفس،
سلامی ہند، ص ۶۲۔ (۲۲) دائرہ معارف اسلامی، ۵/۲۳۱/۲۳۵۔
و سکسینہ، ۲/۱۲۴۔۱۲۷۔ (۲۴) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و
ب بعد عہد اورنگ زیب، مولف نورالحسن انصاری، ص ۱۸۰۔۲۲۲۔
کلام پر تنقید، مولف سید محمد اصغر۔ (۲۷) میرزا عبدالقادر اور اقبال،
ل، مولف بنی ہادی۔

مصر میں عربی صحافت کا ارتقا

از ڈاکٹر محمد طارق قاسمی☆

مصر میں صحافت کا آغاز فرانسیسیوں کے حملے سے ہوتا ہے، نپولین نے ۱۷۹۸ء میں مصر پر قابض ہونے کے بعد اسے اور دوسرے مشرقی ملکوں کو فرانسیسی تہذیب و تمدن میں رنگ دینا چاہا اس کے لیے اس نے صحافت اور علم و فن کا استعمال کیا، وہ اپنے ساتھ فوج کے علاوہ اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت بھی مصر لایا تھا اور وہاں سے دو فرانسیسی جرائد نکالے، ایک تو بالکل اخباری رنگ میں ہوتا تھا جس میں مصر کے اندرونی حالات کا ذکر ہوتا تھا، اسے مصر کی ڈاک کہا جاتا تھا مگر دوسرا علمی رنگ کا تھا، جس میں معاشی، سماجی اور ثقافتی حالات پر تبصرہ ہوتا تھا، یہ دونوں جریدے فرانسیسیوں کی مصر سے واپسی کے ساتھ ہی بند ہو گئے۔

نپولین مصر پر تین سال قابض رہا، اس عرصہ میں اہلِ مصر ان سامراجیوں سے برسرِ پیکار رہے، آزادی کے لیے اس جدوجہد نے ان کے اندر ایک قوت پیدا کر دی، نپولین نے مصریوں کو مطمئن کرنے کے لیے ایک مجلس شوریٰ بنائی جو اعیانِ ملک اور تجار کے علاوہ ازہر کے نو علما پر مشتمل تھی، جس سے مصریوں کو ایک مدت کے بعد حکومت میں شرکت کا موقع ملا (۱) مگر ان ساری کوششوں کے باوجود ۱۸۰۱ء میں اس کو مصر چھوڑ کر جانا پڑا اور اسی کے ساتھ ہی یہ دونوں رسائل بھی بند ہو گئے (۲)۔

اس کے علاوہ نپولین نے ایک اخبار عربی زبان میں نکالنے کا حکم دیا تھا جس کا نام "التنبیہ" تھا، اسے بعد میں جنرل (منو) نے اسماعیل الخشاب کی نگرانی میں نکالنے کی کوشش کی مگر عبداللطیف حمزہ کی تحقیق کے بہ موجب یہ اخبار نہیں نکل سکا بلکہ اسماعیل الخشاب کی ایڈیٹرشپ میں "سلسلة التاریخ" نامی اخبار نکلا مگر اس اس کی حیثیت ایوان کے احوال و کوائف اور اس وقت کے اہم

☆ شعبۂ عربی علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یوپی، ہند۔

جرجی زیدان نے پہلے ہی اخبار کا نام "التنبیہ" بتایا ہے جس
مرونواہی پر مشتمل رسالے کی تھی (۴)، ادیب مروہ کے خیال میں
تنبیہ" نامی ایک عربی اخبار نکالنے کا حکم صادر کیا تھا (۵) اور یہ
فرانسیسی مصر چھوڑ کر چلے گئے (۶)، ابو بکر حسنی کے خیال میں
نکالا تھا وہ عربی زبان کا پہلا اخبار اور "الوقائع المصریة" دوسرا
(۷)، بہر حال اس امر میں اختلاف کی گنجایش نہیں کہ پہلے عربی
تھے خواہ وہ کسی بھی نام سے نکلا ہو۔

س صحافت کا سلسلہ موقوف رہا پھر ۱۸۲۷ء میں محمد علی نے ایک
یو" نکالا جو نومبر ۱۸۲۸ء میں "الوقائع المصریة" کے نام سے
جمان سمجھا جاتا تھا، یہ جریدہ یورپ کے تعلیم یافتہ (۸) رفاعہ بک
نکلنا شروع ہوا اور برابر سرکاری جریدے کی حیثیت سے اب تک
ت سے اس کو پہلا مقام حاصل ہے، یہ جریدہ پہلے صرف ترکی میں پھر
ف عربی میں نکلنے لگا، اس کے اڈیٹر معروف اہل قلم حضرات رہے،
پہلے آچکا ہے، ان کے علاوہ شیخ حسن عطار، شیخ شہاب الدین،
یم، شیخ مصطفیٰ سلامہ، صالح مجدی بک، شیخ محمد عبدہ، شیخ عبدالکریم
ذکر ہیں۔

عہد (۱۸۴۹ء سے ۱۸۶۳ء) میں کوئی دوسرا رسالہ نہیں نکلا کیوں کہ
چسپی نہیں تھی، ان کے بعد اسماعیل ۱۸۶۳ء میں تخت نشین ہوا، اس
اسے عربی زبان وادب سے بڑا لگاؤ تھا، اس کے دور میں صحافتی
ں نے رسائل واخبارات نکالنے کی حوصلہ افزائی کی، اس کی زندگی
ں کے جدید تہذیب وتمدن کا دل دادہ تھا، اپنے ملک میں بھی اسے
ہے اس کے زمانے میں مصری صحافت مغرب کے نقش قدم پر چل
" کے بعد "الیعسوب" نامی ماہانہ علمی وطبی رسالہ ۱۸۶۵ء میں محمد علی

پاشا اور ابراہیم الدسوقی نے نکالا (۹)، پھر اسماعیل کے عہد میں مقامی اخبار نکلنا شروع ہوئے جیسے "وادی النیل" ۱۸۶۶ء میں نکلا، یہ ایک سیاسی علمی اور ادبی اخبار تھا جو ہفتہ میں دو بار نکلتا تھا، ایک ہفت روزہ "نزھة الافکار" ابراہیم مویلحی اور عثمان جلال نے ۱۸۶۹ء میں نکالا جس کا لہجہ سخت تنقیدی تھا یہی وجہ ہے کہ خدیوی اسماعیل نے اس کے بند کرنے کا حکم صادر کر دیا (۱۰)، اسی طرح "روضة الاخبار" ۱۸۷۰ء میں نکلا، لبنانیوں کا پہلا عربی جریدہ "السلطة" تھا اور ہفت روزہ "الکوکب الشرقی" جس کی بناء سعید حموی نے رکھی تھی، ۱۸۷۳ء میں نکلا، پھر انہوں نے ایک تجارتی وادبی روزنامہ "شعاع الکوکب" نکالا (۱۱)۔

فلپ دی طرازی کے خیال میں اسماعیل کے عہد میں صحافیوں کو کھلی آزادی تھی مگر جرجی زیدان کی تحریروں سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اسماعیل اپنے ناقدین کو برداشت نہیں کرتا تھا، پس اسی لیے اہل قلم حضرات محتاط رہا کرتے تھے تاہم جو بھی اس کو تنقید کا نشانہ بناتا، اس کو عظیم خطرے سے دوچار ہونا پڑتا جیسا کہ "الاھرام" کے ایڈیٹر کے ساتھ واقعہ پیش آیا (۱۲)، اس کا شمار چند اہم اخبارات میں ہوتا ہے جس کو سلیم وبشارۃ تقلا نے اسکندریہ سے ۱۸۷۶ء میں نکالا تھا (۱۳) اور یہ اہل شام کا سب سے پرانا اخبار ہے بعد میں یہ قاہرہ سے شائع ہونے لگا، اسی طرح شام کے ادبا نے صحافت کے علاوہ بعض ثقافتی امور میں بھی حصہ لیا۔

۱۸۷۷ء میں "حقیقة الاخبار" شائع ہوا اور قبطی جریدہ "مصر" ۱۸۹۵ء میں نکلا اور سلیم النقاش اور ادیب اسحاق "المحروسة" نامی اخبار اسکندریہ سے ۱۸۸۰ء میں نکالا، جس کو سید جمال الدین الافغانی اور شیخ محمد عبدہ کا قلمی تعاون حاصل تھا (۱۴)۔

صحافت کو اسماعیل کے عہد میں بڑا فروغ حاصل ہوا اور عربی نثر تنجع وتکلف کے بندھنوں کو توڑ کر سلاست اور سہل پسندی کی راہ پر گامزن ہوئی، روزمرہ کی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کو اخباروں نے اپنے کالموں کی زینت بنایا، اسماعیل کے عہد میں صحافت کے ارتقا کا تذکرہ کرتے ہوئے قسطا کی الیاس عطارہ نے لکھا ہے:۔

"حکومت ہر طرح سے اخبارات ورسائل کا تعاون کرتی تھی اور سینکڑوں نسخے خود لے لیتی تھی، اس کے عمال اخباروں کے تعاون کے لیے امرا، رؤسا اور کسانوں سے جبراً جو بدل

س سے ان کو منع نہیں کرتی تھی جب کہ ان اخبارات ورسائل کو
کھول کر پڑھ بھی نہیں سکتے تھے پھران میں یہ رجحان پیدا ہوا کہ
نہیں پڑھوا کر سن لیتے تھے (۱۵)۔

ین ہوا تو وطنی اور قومی جذبات ابھر کر سامنے آنے لگے اور
"الطائف" اور "المفید" جیسے انقلابی اخبارات ورسائل نکلنا
مت کو تردد اور تشویش لاحق ہوئی اور اس نے صحافت پر قدغن
ت اور پریس پر بھی بندش ہونے لگی، لیکن انقلاب اپنی راہ لے
سے ہوتا ہے۔

ں نے شعرا، ادبا اور اہل علم کی پذیرائی کی اسی طرح ریاض پاشا
ل کھول کر حوصلہ افزائی ہوئی، بلاشبہ اسماعیل کے عہد میں دائرۃ
ر ادبا کو اسماعیل سے قریب کرنے میں ریاض پاشا کا اہم رول
ہیں:۔

کو جو حکومت کا ترجمان سمجھا جاتا تھا اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور شیخ
الکریم سلمان، ابراہیم بک الھلباوی، شیخ محمد خلیل اور سید وفا
تشکیل دی اور ان کو مفاد عامہ کی غرض سے غیر سرکاری کالموں

نے اپنے تلمیذ رشید شیخ محمد عبدہ کے اشتراک سے پیرس سے
کالا اور یعقوب حروف، فارس نمر اور شاہین مکاریوس نے ۱۸۸۹ء
کالا، اس اخبار کا مقصد انگریزی سیاست کی تائید تھی (۱۷)۔
۱۸ء میں ایک علمی وادبی ہفت روزہ "مصباح الشرق" نکالا اور
ت پر خامہ فرسائی کی اور عالم اسلام کے اتحاد پر زور دیا (۱۸)
نے ۱۸۸۹ء میں ہفت روزہ اخبار "المؤید" نکالا جس کا شمار اپنے
ت میں ہوتا تھا، ان اسلامی اخبارات ورسائل میں جو ملک اور

مسلمانوں کے حقوق کی لڑائی لڑ رہے تھے، یہ سرفہرست تھا، اس کے قلمی معاونین میں شیخ محمد عبدہ، سعد زغلول، مصطفیٰ کامل اور ابراہیم مویلحی کا نام سرفہرست ہے اور جرجی زیدان نے ۱۸۹۲ء میں مجلہ "الہلال" نکالا، جواب تک نکل رہا ہے اور لبنانیوں نے ۱۸۹۴ء میں روزنامہ "لسان العرب" نکالا، حکومت عثمانیہ کے اندر اس پر پابندی لگا دی گئی، پھر ان لوگوں نے قاہرہ میں ہفت روزہ اخبار کی شکل میں نکالا اور ۱۸۹۹ء میں اس اخبار کے سب سے پہلے مالک نجیب حداد کی وفات کے ساتھ اس کا نکلنا بھی بند ہوگیا، ۱۸۹۴ء میں جریدہ "المشیر" نکلا جو دولت عثمانیہ پر تنقید سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔

مصری صحافت کو لارڈ کرومر کے عہد میں فکری آزادی ملی کیوں کہ اس کے خیال میں کھولتے ہوئے برتن کو اگر ڈاٹ لگا کر بالکل بند کر دیا جائے تو پھٹ جائے گا اور اگر بھاپ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا تو برتن صحیح وسالم محفوظ رہے گا (۱۹)۔

اور جب انگریز مصر پر قابض ہوگئے تو مختلف النوع مسائل نے جنم لینا شروع کیا جیسے غلامی اور آزادی کی کشمکش اور مصریوں و باب عالی کے مسائل، پس صحافت مختلف دھڑوں میں منقسم ہوگئی، بعض لوگوں نے دولت عثمانیہ کا ساتھ دیا، بعض نے انگریزوں کے مقابلے فرانسیسیوں کو سراہا اور کچھ لوگوں نے انگریزوں کے گیت گائے، اس سے اخبارات ورسائل کی تعداد بڑھنے لگی اور انیسویں صدی کے آخری دس سالوں میں صحافت نے بہت ترقی کیا اور مصر میں اخبارات ورسائل کی ایک بڑی تعداد ہوگئی۔

مراجع

(۱) جدید عربی ادب کا ارتقا، ڈاکٹر سید احتشام ندوی، چارکمان حیدرآباد، ص۱۴ (۲) تاریخ آداب اللغة العربية لجرجی زيدان مع تعليق شوقی ضيف، ج۴، دار الہلال القاہرہ، ص۵۱ (۳) ادب المقالة الصحيفة فی مصر لعبد اللطيف حمزه، الطبعۃ الثانیۃ، ج۱، دار الفکر العربی القاہرہ، ۱۹۵۸ء، ص۵۴ (۴) تاريخ آداب اللغة العربية لجرجی زيدان، ج۴، ص۵۲ (۵) اور بعض نے اس کا نام "الحوادث اليومية" یا "الوقائع اليومية" بتایا ہے

نتہا و تطورھا لادیب مروۃ، دارمکتبۃ الحیاۃ بیروت، ۱۹۶۱ء
سلامی مایو ۱۹۷۱ء(الصحافۃ العربیۃ فی مختلف
سنی)ص ۶۳ (۸) تاریخ تکوین الصحف المصریۃ
طبعۃ القدیم بالاسکندریۃ ۱۹۲۸ء ص ۹۹ (۹) تاریخ آداب اللغۃ
۴ء ص ۵۴ (۱۰) الصحافۃ العربیۃ نشا نتہا و تطورھا
الاسلامی مایو ۱۹۷۱ء ص ۶۴ (۱۲) تاریخ الصحافۃ العربیہ
ازی، ج ۳، المطبعۃ الادبیۃ بیروت، ۱۹۱۴ء ص ۵ (۱۳) عبداللطیف
ورمٹ مل گئی تھی، ادب المقالۃ الصحیفۃ، ج ۱ ص ۲۶
انتہا و تطورھا ص ۱۹۵ (۱۵) تاریخ تکوین الصحف
ص ۱۱۰ (۱۶) نفس المصدر، ص ۱۲۲ (۱۷) الصحافۃ
ص ۱۹۶ (۱۸) مصر کی عربی صحافت، محسن عثمانی، دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۲۵
یا نتہا و تطورھا ص ۲۰۴۔

الانتقاد
یخ التمدن الاسلامی
از علامہ شبلی نعمانیؒ
شبلی نعمانیؒ نے مصر کے عیسائی مصنف جرجی زیدان کی کتاب کا
بیانیوں کی بہت مدلل تردید کی ہے۔
قیمت: ۴۰ روپے

تبرکات کا ثبوت

از مولانا محمد سعید مجددی ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد عرصہ دراز تک بنی اسرائیل کے حالات نہایت بہتر رہے، لیکن چند صدیوں کے بعد جب وہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنے لگے اور تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو ان کی شان و شوکت جاتی رہی، خیر و برکت کا خاتمہ ہوگیا اور سیاسی حالت بھی بہت ابتر ہوگئی یہاں تک کہ پیغمبرِ خدا حضرت شموئیل علیہ السلام کے زمانے میں ان پر ایک کافر بادشاہ جالوت نے تسلط پاکر ان کو شہر سے نکال دیا اور ان کے بہت سے آدمی پکڑ کر لے گیا، قتل و خوں ریزی کے علاوہ خدا کا صندوق (تابوت سکینہ) بھی ان سے چھن گیا، اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے وہ بیت المقدس میں جمع ہوئے اور حضرت شموئیلؑ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے کوئی امیر مقرر کردیجیے جس کے زیر سرکردگی ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، نبی وقت نے فرمایا "کہیں ایسا تو نہیں کہ اگر تم پر جہاد فرض کردیا جائے تو تم نہ جہاد کرو، وہ بولے کہ بھلا ہم اللہ کی راہ میں کیوں جہاد نہ کریں گے جب کہ ہم اپنے گھروں اور اپنی اولاد سے نکال دیے گئے ہیں، پھر جب ان پر جہاد فرض کردیا گیا تو سوائے تھوڑے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے" (بقرہ: ۲۴۶)۔

بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے طالوتؑ کو ان کا امیر مقرر کردیا جو کوئی خاندانی رئیس اور مال دار شخص نہ تھے، اس لیے بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ان سے زیادہ تو ہم ہی امارت کے مستحق ہیں، ارشاد ربانی ہے:۔

"اور ان سے ان کے نبی نے کہا بے شک اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو امیر مقرر کردیا ہے، انہوں نے کہا بھلا اس کی امارت ہمارے اوپر کیسے ہوسکتی ہے، اس سے زیادہ تو امارت کے

☆ ناظم خانقاہ شریف مجددیہ، بھوپال۔

ال کی وسعت بھی نہیں دی گئی ہے، نبی نے کہا بے شک اللہ نے ان کو
ں علم وجسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا
وسعت اور علم والا ہے" (بقرہ: ۲۴۷)۔

ت کی امارت اور سرداری کی نشانی طلب کی تو نبی کی دعا سے اللہ تعالیٰ
ن کا بنا ہوا صندوق فرشتوں کی مدد سے آپ سے آ گیا جس
ن اور آلِ موسیٰ وآلِ ہارون کی یادگاریں اور تبرکات تھے۔

ہم اِنَّ اٰیَۃَ	اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی امارت
التَّابُوْتُ	کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق
کُمْ وَبَقِیَّۃٌ	آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف
سٰی وَ اٰلُ	سے تسلی بخش سامان اور وہ چیزیں ہیں جو موسیٰ اور
لٰئِکَۃُ اِنَّ	ہارون کی اولاد کی چھوڑی ہوئی ہیں، صندوق کو
کُمْ اِنْ	فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، اس میں تمہارے
(۲۴۸	لیے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔

ی اسرائیل نے طالوت کو اپنا امیر تسلیم کر لیا اور وہ تائیدِ الٰہی اور
والے بلند حوصلہ مسلمانوں کے ایک مختصر لشکر کے ساتھ جالوت
اور انہوں نے کفار کو شکست دے دی۔

کی الواح کے ٹکڑے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے
ں، بنی اسرائیل جنگوں میں اسے آگے رکھتے تھے اس سے ان کو
سے اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا کرتے تھے (دیکھیے تفسیر کبیر، خازن،
ن وغیرہ)، یہ گویا تبرکات کے مقدس و بابرکت اور مؤثر ومحترم
ہے۔

ت یوسف علیہ السلام کے کرتے سے حضرت یعقوب علیہ السلام
انے کا ذکر بھی ہے، فرمایا:۔

اِذْھَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ھٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا (یوسف: ۹۳)	یہ میرا کرتا لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو (تو) وہ دیکھنے والے ہو جائیں گے۔

آگے پھر ارشاد ہوا:۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰہُ عَلٰی وَجْھِہٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا (یوسف: ۹۶)	پس جب خوش خبری دینے والا آ گیا تو اس نے کرتا ان کے چہرے پر ڈالا تو پھر سے دیکھنے والے ہو گئے۔

اسی سلسلۂ بیان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس کیفیت کا بھی تذکرہ ہے کہ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا میں یوسف علیہ السلام کی خوش بو پا رہا ہوں، اگر تم مجھے بے وقوف نہ سمجھو (یوسف: ۹۴)، یہ واقعہ بھی تبرکات کے ناقابلِ تردید اور موثر ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

احادیث میں حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک سے شفا حاصل کرنے کا ذکر ملتا ہے، صاحبِ مشکوٰۃ نے صحیح بخاری کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:۔

عن عثمان بن عبد اللّٰہ بن موھب قال ارسلنی اھلی الی ام سلمۃ بقدح من مآء، وکان اذا اصاب الانسان عین او شیٔ بعث الیھا مخضبۃ فاخرجت من شعر رسول اللّٰہ ﷺ وکانت تمسکہ فی جلجل من فضۃ فخضخضتہ لہ فشرب منہ قال فاطلعت فی الجلجل فرأیت شعرات حمراء	حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو میرے گھر والوں نے پانی کا ایک پیالہ دے کر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا اور جب کسی آدمی کو نظر لگتی تھی یا اور کوئی (بیماری) لاحق ہوتی تھی تو وہ ان کے پاس اپنا برتن بھیجتا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے بال نکالتی تھیں جن کو وہ چاندی کے ایک قسم کے برتن میں بند رکھتی تھیں، پھر اس کو (لائے ہوئے پانی بھرے برتن میں) خوب ہلا دیتی تھیں پھر اس میں سے پانی پیا جاتا تھا، (راوی) نے

...ب والرق)

کہا میں نے اس خاص برتن میں جھانک کر دیکھا تو کئی لال بال دیکھے۔

...آنحضرت ﷺ نے حلق کرانے کے بعد اپنے بال لوگوں میں تقسیم ...کتب حدیث میں موجود ہے، ہم صحیح مسلم کتاب الحج سے دو حدیثیں

...مالک ان
...ﷺ اتى منى
...رماها ثم اتى
...نحر ثم قال
و اشار الى
...م الايسر ثم
...ه الناس

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منی میں تشریف لائے پھر جمرہ کے پاس آکر کنکریاں ماریں پھر منی میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور قربانی کی، پھر بال مونڈنے والے سے فرمایا لو اور اپنی داہنی جانب کا اشارہ فرمایا پھر بائیں جانب کا پھر بال لوگوں کو دینے لگے۔

...روایت ابوبکر یہ ہے۔

و اشار بيده
...لايمن هكذا
...ين من يليه
...لحلاق والى
...حلقه فاعطاه
...ى رواية ابى
...د أبا الشق
...ه الشعرة

آپ نے بال کاٹنے والے سے فرمایا لو! اور اپنے دست مبارک سے اپنی سیدھی جانب کا اشارہ فرمایا "یہ" پھر آپ نے اپنے بال قریب میں موجود لوگوں کو تقسیم فرمائے، راوی نے کہا پھر بال کاٹنے والے کو اشارہ کیا اور الٹی طرف کا اشارہ فرمایا تو اس نے اس کو بھی مونڈ دیا، پھر وہ بال آپ نے ام سلیم (۱) کو عطا فرمائے، ابوکریب کی روایت میں ہے انہوں

...، ان کے والد کا نام مالک تھا جو اسلام نہیں لائے تھے، ان کے انتقال کے بعد
...ہوا تھا۔

والشعر تين بين الناس ثم قال بالايسر فضع مثل ذلك ثم قال هاهنا ابو طلحة فدفعه الى ابى طلحة

نے کہا آپ نے سیدھی طرف سے شروع فرمایا پھر ایک دو بال لوگوں میں تقسیم فرمائے، پھر الٹی طرف کے بال مونڈنے کے لیے کہا تو بال کاٹنے والے نے ویسا ہی کیا، پھر آپ نے فرمایا کہ ابوطلحہ یہاں ہیں، پس انہیں بھی بال دے دیے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے موئے مبارک لوگوں میں تقسیم فرمائے تھے، جن میں ایک خاتون کو بھی دیا تھا، صحیح مسلم میں اس مضمون کی مزید دو حدیثیں ہیں، علاوہ ازیں سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں بھی الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ اس مفہوم کی حدیثیں آئی ہیں، شارح مسلم امام نووی اپنی شرح میں احادیث سے مستنبط احکام وفوائد اور مسایل بھی بیان کرتے ہیں، اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ومنها التبرك بشعره ﷺ و جواز اقتنائه للتبرك ومنها مواساة الامام والكبير بين اصحابه واتباعه فيما يفرقه عليهم من عطاء و هدية و نحوها والله اعلم

اور اس میں آپ کے بالوں سے برکت حاصل کرنے کی بات بھی ظاہر ہوتی ہے اور تبرک کے لیے ان کو حاصل کرکے رکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس میں امام اور بزرگ ہستی کا عطیہ اور ہدیہ وغیرہ تقسیم کرنے میں اپنے اصحاب اور اتباع میں سب کا لحاظ کرنا اور دلجوئی کرنا ثابت ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

ان احادیث کی شرح میں دیگر علما و شارحین حدیث نے بھی اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

سب سے اول درجے کے تبرکات میں انبیا علیہم السلام کی چیزیں ہوتی ہیں، پھر اسی ضمن میں اولیاء اللہ، علمائے دین، صلحائے امت اور خاصان خدا کی چیزیں آجاتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت، اپنی اطاعت وعبادت اور اپنے حکم پر تسلیم ورضا کے صلہ میں متبرک اور پرتاثیر فرمادیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (الحج: ۱۴) بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

ڑھ کے سفر کی جسمانی وعلمی فتوحات

از مولانا وارث ریاضی فاضل دیوبند☆

۲۰۰ء کی ''سیت لہر'' میں میری طبیعت زیادہ خراب رہی، وجع المفاصل
ردیا تھا، مقامی ڈاکٹروں کے علاج سے خاطر خواہ فایدہ نہیں ہوا تو علی
روری ۲۰۰۳ء سے ۱۹؍مارچ تک قیام کرنا پڑا، حضرت حکیم کلیم اللہ
ے افاقہ ہوا، کہا جاتا ہے کہ حکیم صاحب موصوف نے باضابطہ ''علمِ
ہے، لیکن اپنے والد ماجد مولانا حکیم افہام اللہؒ کی تربیت اور فیض صحبت
ں اتنی مہارت حاصل کرلی ہے کہ بہت سے لوگ باضابطہ ''علم طب''
یں کمال پیدا نہیں کرسکتے، مشہور ہے کہ اگر کوئی حکیم، صالح اور متقی و
ب اللہ'' دست شفا'' حاصل ہوجاتا ہے، یہ وصف حکیم کلیم اللہ صاحب کو

ب میں پروفیسر مختار الدین احمد آرزو مدظلہ نے کھانے پر مدعو کیا تھا،
ض الرحمٰن خاں شروانی دامت برکاتہم بھی شریک تھے، اس پُرتکلف
لوازمات کے ساتھ ایک لذیذ میٹھا پکوان بھی تھا، اس پکوان کے
نے فرمایا:۔

ٹنہ اور بہار شریف وغیرہ کا پسندیدہ میٹھا پکوان ہے''۔

پکوان کے بارے میں دریافت کرنے پر آرزو صاحب اپنے ۱۶؍
ماتے ہیں:۔

یٹھا پکوان آپ کے ملاحظے کے لیے پیش کیا گیا اسے عام طور پر پٹنہ اور

ج، ڈاک خانہ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار۔

بہار شریف کے علاقے میں ماقوتی کہتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ وہاں کے باورچیوں کا تلفظ ہے، اصل میں لفظ ''یاقوتی'' ہی ہوگا، کبھی وہاں جانا ہوا تو دریافت کرکے لکھوں گا''۔

یوسف الرحمٰن بلخی مرحوم کی ''فرہنگ بہار'' میں دیکھوں گا، اسے سب سے پہلے میں نے رسالہ فکر ونظر میں شایع کیا تھا، پھر کتابی شکل میں یہ مضمون کتب خانہ خدابخش سے شایع ہوا، کچھ ایسے الفاظ اب بھی مل جاتے ہیں جو بہار میں بولے جاتے ہیں اور اس لغت میں مندرج نہیں، کچھ الفاظ بھی تلاش کرکے یک جا کریں تو خوب ہو، کتاب کتب خانہ خدابخش سے مل سکتی ہے''۔

ممکن ہے مذکورہ پکوان کا نام ''بالیقوت'' ہو (یعنی وہ چیز جو غذائیت بخشے) اور مرور ایام نے اسے ماقوتی کردیا ہو، بہ ہرحال وہ میٹھا پکوان بڑا لذیذ تھا اور پہلی بار اسے آرزو صاحب کے دسترخوان پر تناول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

کھانے سے فراغت کے بعد مذکورہ علمی شخصیات کی گل افشانیِ گفتار سے دیر تک لطف اندوز ہوتا رہا، آخر میں آرزو صاحب نے اس ناچیز سے فرمایا کہ شروانی صاحب کو کوئی غزل سناؤ، میں ایک تازہ ترین غزل سنائی جسے ان بزرگوں نے پسند فرمائی۔

تقریباً ۹؍بجے شب میں جب ہم آرزو صاحب کے قصر علم سے رخصت ہونے لگے تو شروانی صاحب اس ناچیز کو ۱۵؍مارچ کو $11\frac{1}{2}$ بجے دن میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دفتر ''سلطان جہاں منزل'' میں ملاقات کرنے کی ہدایت کرگئے۔

۱۵؍مارچ کو میں وقت مقررہ پر سلطان جہاں منزل پہنچ گیا، شروانی صاحب بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے، دیر تک علمی گفتگو کرتے رہے، ان کی علمی بات چیت اور حسنِ شفقت سے مجھے پختہ یقین ہوگیا کہ شروانی صاحب اپنے جد امجد نواب صدر یار جنگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن شروانیؒ کی علمی روایات کے امین ہیں، شرافتِ نفس، خلوص وایثار، تواضع و انکساری، نفاست اور ذوق لطیف جیسے اوصاف پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی مدظلہ کو وراثت میں ملے ہیں۔

گفتگو کے دوران میں جناب حفیظ نعمانی صاحب کی تصنیف ''روداد قفس'' پر کاروان ادب (بھوپال) میں شایع شدہ ڈاکٹر صفات علوی صاحب کے مضمون نما تبصرہ کے حوالے سے

صاحب نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے لسانی اور تہذیبی
ں دیا جو انہوں نے دوسرے ملکوں میں انجام دیا ہے، ایران میں
اور تہذیب سے اس طرح متاثر ہوئے کہ اللہ کو خدا، صلات کو نماز
اں کہ فارسی میں خدا کے معنی مالک اور آقا کے آتے ہیں، ظاہر ہے
ظ اللہ میں ہے، خدا میں نہیں ہے، اسی طرح فارسی میں نماز کے معنی
ہیں لیکن اس پر صلات جیسی مخصوص اسلامی عبادت کا اطلاق ہونے
کے معنی برت اور اپاس کے آتے ہیں لیکن صوم کو روزہ کہا جاتا ہے،
ں ہوا آخر ''اللہ'' کو بھگوان، صلات کو پوجا اور صوم کو برت جیسے
دوستانی مسلمانوں کے لیے کیا مجبوری تھی؟''۔

عد شروانی صاحب نے سوال مذکور کا جواب بہ ذات خود دینا شروع
ذہن میں محفوظ ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سوال مذکور کا
کے الفاظ میں من وعن نقل کیا جائے، چنانچہ ''کاروان ادب''
صاحب کے ایک مکتوب کے عکس سے (جسے موصوف نے مجھے
واب نقل کیا جاتا ہے:۔

وعلامہ اقبال نے اپنے ترانۂ ہندی میں دیا ہے یعنی:

گئے جہاں سے اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری''

علامہ اقبال یونان و مصر و روما کی تہذیب ہی کے مٹ جانے کا اظہار
مقابلے میں ہندوستانی تہذیب کی برتری کی سرابنا فرما رہے ہیں اور
طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے اس میں علوی صاحب کے اس سوال کا
یہ جداگانہ بات ہے کہ بدقسمتی سے آج ہندوستان خود اپنے ہاتھوں اس
صر ہے، علوی صاحب کے اس سوال کا ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ مصر

اور دوسرے افریقی ممالک میں اسلام عربوں کے توسط سے پہنچا تھا اور ہندوستان میں محمد بن قاسم کے حملے کے بعد وسط ایشیا کے توسط سے آیا، یہ عربی اور عجمی مزاج کا فرق ہے جو اس صورت میں نمایاں ہوا، جہاں فاضل مضمون نگار نے ہندوستانی مسلمانوں کے ناموں اور بعض مذہبی اصطلاحات (مثلاً خدا، نماز، روزہ) کا ذکر کیا ہے وہاں بھی یہی نکتہ ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے، یعنی عرب جن ممالک میں گئے سیکھنے کے لیے گئے، اس کے خلاف جہاں عجمیوں کے قدم پہنچے وہ جذبۂ تفاخر سے سرشار تھے اور بہ جائے سیکھنے کے صرف سکھانا چاہتے تھے''۔

یہاں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہندوستان میں لسانی اور تہذیبی لحاظ سے مسلمانوں کے کارناموں کے جایزہ لینے والوں کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں کے ورود مسعود سے پہلے ہندوستان چھوٹی بڑی سینکڑوں ریاستوں اور مملکتوں میں منقسم تھا، یہ ریاستیں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہتی تھیں، تقریباً ہر ریاست کی زبان علاحدہ تھی، اس طرح ہندوستان میں چند ممتاز زبانوں کے علاوہ تین سو سے زاید زبانیں مروج تھیں، مسلمان حکمراں ہندوستان میں آئے تو سب سے اہم یہ کارنامہ انجام دیا کہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور مملکتوں کو ایک سلطنت میں تبدیل کر دیا اور پشاور سے سورت تک ایک حکومت قایم ہوگئی (نقوش سلیمانی ص ۲۱)۔

جس ملک میں تین سو سے زاید زبانیں رائج ہوں وہاں ایک زبان کو مروج کرنا آسان نہیں تھا، چنانچہ ہندوستان کے مسلم بادشاہوں نے ہندوستان کی سرکاری اور شاہی زبان تو فارسی رکھی لیکن صوبوں کی زبان وہی رہنے دی جو وہاں رائج تھی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے مقالہ ''ہندوستان میں ہندوستانی'' میں رقم طراز ہیں:۔

''..... ہندوستان کی شاہی و سرکاری زبان تو فارسی ہی رہی لیکن ملکی بول چال اور عام زبان کے لیے نہ تو یہ ممکن تھا کہ تمام ہندوستان کی زبان فارسی کر دی جائے اور نہ یہ ممکن تھا کہ ہندوستان کے کسی ایک صوبہ کی زبان اختیار کر کے اس کو پورے ملک پر محیط کر دیا جائے، اس لیے قدرتی طور سے یہ ہوا کہ مسلمان جس صوبہ میں گئے وہاں کی صوبہ وار زبان اختیار کی، ساتھ ہی مذہبی، سیاسی، تمدنی، صنعتی، تجارتی اور علمی ضرورتوں سے اپنی زبان کے سینکڑوں ہزاروں الفاظ اسی طرح اس ملک کی زبان میں مجبوراً بڑھائے جیسے آج ہم انگریزی کے الفاظ و اصطلاحات اختیار کرنے پر مجبور ہیں'' (ایضاً ص ۲۶)۔

رت سید صاحب علیہ الرحمہ مذہبی، سیاسی، تمدنی، صنعتی، تجارتی اور علمی
ں الفاظ بہ طور مثال پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

ے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب یہاں قدم رکھا تو اپنے پورے تمدن
ں اور اپنی اصطلاحات و ایجادات کو ساتھ لے کر یہاں وارد ہوئے اور ان
طلاحات اور الفاظ بھی اپنے ساتھ لائے اور چوں کہ یہ ہندوستان میں
لیے ہندوستان کی بولیوں میں ان کے مرادفات کی تلاش بے کار تھی اور
ں رائج ہو گئے'' (ایضاً ص ۳۰)۔

ں :۔

فارسی کے لفظ کثرت استعمال سے اس طرح جگہ پکڑ بیٹھے ہیں کہ ان کی
ں بھاشا کا لفظ ڈھونڈ کر لانا پڑتا ہے مگر اس میں یا تو مطلب اصلی فوت
شکل ہو جاتی ہے کہ عوام تو کیا خواص ہنود کی سمجھ میں بھی نہیں آتی، مثلاً
ل، حلوا، صراف، مسخرہ، نصیحت، لحاف، توشک، چادر، صورت، شکل،
ت، فاختہ، قمری، کبوتر، بلبل، طوطا، پر، دوات، قلم، سیاہی، جلاب، رقعہ،
ت، لگام، رکاب، زین، تنگ، نعل، کوتل، عقیدہ، وفا، درّہ، پردہ،
ملاح، تازہ، غلط، صحیح، رسد، کاریگر، ترازو، شطرنج کے باب میں تعجب
ہے مگر عرب اور فارس سے جو چیز کر آئی تو سب اجزاء کے نام اور اپنی
رگذشت الفاظ ص ۱۳۴)۔

' اور ''سرگذشت الفاظ'' کے مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات ثابت
ے مسلم بادشاہوں نے لسانی لحاظ سے قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے،
روں مملکتیں اور ریاستیں ہوں اور تین سو سے زیادہ زبانیں مروج ہوں،
پرستش کی جارہی ہو جن کے نام بھی علاحدہ علاحدہ ہوں اور بہ قول
ن :۔

ے کر آسمان تک ہر شے خدا تھی ...... (اور) بہ قول ایک ہندو مورخ

کے خداؤں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی خداؤں کا اوسط پڑتا تھا'' (تاریخ اسلام ص ۸)۔

اور جس ملک میں خدا کے لیے بھگوان، پرمیشور، برہم، وشنو، پرس رام، پرماتما اور رام جیسے بے شمار نام ہوں، وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہندوستان کی زبانوں سے کسی ایک نام کو مروج کرنا تقریباً ناممکن تھا، اسی طرح جس ملک میں پرستش کے لیے مختلف طریقے ہوں وہاں صلات اور صوم جیسی مخصوص اسلامی عبادتوں کی تعبیر ہندوستانی زبانوں کے الفاظ سے کرنا مسلم فرماں رواؤں کے لیے بہت دشوار معاملہ تھا۔

جہاں تک ایران، مصر اور دیگر افریقی ممالک کا معاملہ ہے تو ان ممالک کے حالات ہندوستان سے مختلف تھے، ان ممالک میں اسلام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی قیادت میں پہنچا تھا، صحابہ کی تربیت ''درس گاہ نبوی'' میں ہوئی تھی صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دینی، روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اسلام کے قالب میں ڈھال کر، ان کو دین و دنیا کی جامعیت کا کامل نمونہ بنا دیا تھا، درس گاہ نبوی کے تربیت یافتہ مسلمان جب ایران اور مصر وغیرہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو ان ممالک کے مذاہب اپنی معنویت کھو چکے تھے، چنانچہ ان مسلمانوں نے اپنی دینی و اخلاقی قوت سے ان ممالک کے تہذیب و تمدن کو یکسر بدل دیا، مسلمانوں کے حسن سلوک سے ان ممالک کی غالب اکثریت حلقہ بہ گوش اسلام ہو گئی، ان مسلمانوں نے اپنے فہم و تدبر، اپنی علمی بصیرت اور اپنے پاکیزہ ذوق علم و ادب سے ان ممالک کے زبان و ادب پر بھی گہرے نقوش مرتسم کر دیے، ایک طرف انہوں نے ان ممالک کی زبانوں میں عربی زبان و ادب کے بے شمار الفاظ داخل کیے تو دوسری طرف ان ممالک کی زبانوں کے الفاظ سے بھی اپنی زبان کو بہرہ ور کیا، علاوہ ازیں ان ممالک کی زبانوں کے مروج الفاظ کو بھی نئے مفہوم و معانی عطا کیے، ایران میں ایسا ہی ہوا، چنانچہ خدا، نماز اور روزہ کے وہ مفہوم نہیں رہ گئے جو قبل اسلام ایران میں مراد لیے جاتے تھے، اب خدا کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے ہونے لگا کیوں کہ فارسی میں لفظ خدا ''خود آ'' سے مرکب ہے، جس کے معنی خود سے آنے والے کے ہیں، چوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہے اس لیے اس کی تعبیر خدا سے کی جانے لگی۔

للغات لکھتے ہیں:۔
بہ معنی خود آیندہ است، چہ مرکبست از کلمۂ خود و کلمۂ آ کہ صیغۂ امر است
کہ امر بہ ترکیب اسم معنی اسم فاعل پیدا می کند و چوں حق تعالیٰ بہ ظہور خود
بہ ایں صفت خوانند'' (غیاث اللغات ص ۱۸۵)۔
اور صوم جیسی مخصوص عبادتوں کو نماز اور روزہ سے تعبیر کر کے ان کو وہی
صلات و صوم سے مراد لیے جاتے تھے۔
تان کے مسلم فرماں رواؤں کے تہذیبی کارنامے کی بات ہے تو اس
ہ ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار اس وقت قایم ہوا جب خلافت
نے سے دین و سیاست میں تفریق ہو چکی تھی، جس کے نتیجے میں مسلم
ان ہو کر اسلامی شریعت سے انحراف کرنے لگے تھے، ملوکیت کے
ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:۔
راں) اپنے اخلاق و اعمال و معاملات میں اسلام کی شرعی سیاست،
کے تمدنی نظام اور اس کی اخلاقی تعلیمات کی بہت کم نمایندگی کرتے
کے دلوں سے اسلام کے پیغام کا احترام اور اثر جاتا رہا اور ان کا اعتماد
یک یورپین مورخ کے الفاظ میں ''اسلام کو اس لیے زوال شروع ہوا
کی صداقت پر شبہ ہونے لگا جو دین جدید کی نمایندگی کر رہے تھے''
کے عروج و زوال کا اثر، ص ۱۹۱)۔
زیب عالمگیرؒ کے سوا ہندوستان کے دیگر مسلم بادشاہوں کو اسلام کی
ت اور اسلامی نظام کے برپا کرنے سے زیادہ عزیز'' ہوسِ اقتدار''
کو دین اسلام کی سربلندی اور اسلامی تہذیب کے قیام سے زیادہ
اپنی گرفت مضبوط کرنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی، اس لیے وہ
ے وہ کارنامہ انجام نہیں دے سکے جو ان کے اسلاف نے ایران، مصر
انجام دیا تھا۔

ڈاکٹر سید عابد حسین مرحوم اپنی تصنیف ''قومی تہذیب کا مسئلہ'' میں ''اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کا سابقہ'' کے زیر عنوان ہندوستانی بادشاہوں کے تہذیبی لحاظ سے قابل قدر کارنامہ انجام نہ دیے جانے کی وجوہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ تھیں جن سے سلطنتِ دہلی کی اسلامیت محض نام تک محدود رہی اور اتنی حقیقت بھی حاصل نہ کر سکی جتنی عالم اسلام کی دوسری ریاستوں میں پائی جاتی تھی، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں اس وقت آئی تھی جب ان کے دل مذہبی جوش سے معمور تھے، ہر مسلمان بجائے خود ایک مبلغ تھا، مسلمان فاتحوں کے کسی جگہ قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ بلکہ اکثر اس سے بہت پہلے مذہبی تبلیغ کا پُر امن جہاد زور شور سے شروع ہو جاتا تھا، چوں کہ ان ملکوں کے پرانے مذاہب اپنا اثر کھو چکے تھے، اس لیے مسلمانوں کی تبلیغی جد و جہد کو فوری کامیابی ہوتی تھی، تقریباً ساری آبادی مسلمان ہو جاتی تھی اور اسلامی قوانین آسانی سے رائج ہو سکتے تھے، مگر جس زمانے میں سلطنت دہلی قایم ہوئی مسلمانوں کا خالص دینی جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا، عام لوگوں میں تبلیغ کا شوق اور صلاحیت باقی نہیں رہی تھی، سلاطین میں چند مثلاً فیروز تغلق کے سوا کسی کو اشاعت اسلام کی اہمیت کا احساس نہیں تھا، ظاہر ہے کہ جبر کا طریقہ نہ تو شرع اسلام کی رُو سے جایز تھا اور نہ حالات کے لحاظ سے قابل عمل، لیکن کسی دوسرے طریقے سے بھی سلطنت نے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی۔

حضرات صوفیا نے اپنے طور پر اس کام کا بیڑا اٹھایا مگر ان کی راہ میں بڑی مشکلیں حایل تھیں، ملک کا نہایت وسیع اور زیادہ تر چھوٹے چھوٹے قریوں پر مشتمل ہونا جو بعض علاقوں میں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر واقع تھے، آمد و رفت کی دشواریاں، بدامنی، جنگ و جدل، اس کے علاوہ ہندو مذہب کی جڑیں مضبوطی سے لوگوں کے دلوں میں قایم تھیں، اگرچہ مسلمانوں کا معاشرتی نظام جس میں ابھی تک اخوت و مساوات کا کچھ رنگ باقی تھا، ہندوؤں کے نچلے طبقے کو اپنی طرف کھینچتا تھا لیکن ان کی قدامت پسندی اور وہ وحشت جو اجنبی فاتح قوم سے ہوا کرتی ہے انہیں روکتی تھی، اونچے طبقے عموماً اپنے مذہب سے مطمئن تھے اور اپنی سماجی حالت سے بھی، اس میں شک نہیں کہ صوفیوں کی جماعت نے ان ناساز گار حالات میں عام طور پر بغیر حکومت کی مدد

کے میدان میں حیرت انگیز کام کیا اور زبردست کامیابی
میں اونچے طبقے کے بھی بہت سے لوگ شامل تھے، مسلمان،
مسلموں کے مقابلے میں اس قدر کم رہی کہ اسلامی ریاست
فضا اور کارہے پیدا نہ ہوسکی۔

نے مسلمان ہندوستان میں موجود تھے، خود ان میں بھی ملی
وریاست کی پالیسی پر کوئی خاص اثر ڈال سکیں اور سلطان کو
نے پر مجبور کرسکیں'' (قومی تہذیب کا مسئلہ، ص ۲۷ و ۳۷)۔
مذکور کے درج بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہذیبی
میں کچھ تو ہندوستان کے ناسازگار حالات حایل رہے اور
بلیغ واشاعت اور دین کی سربلندی سے بے اعتنائی سب

ں کے ناموں کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں مسلمانوں میں
احساس بھی کارفرما رہا، کیوں کہ اسم اپنے مسمّٰی کے لیے

صول ہوچکا ہے، جملہ مندرجات پسند آئے، عراق کی
۔

کی راہ ڈھونڈ لیتی ہیں اور اپنی کھوئی ہوئی دولت وقوت
پنے موافق بنالیتی ہیں''۔
دلوں کے لیے تسلی کا مرہم فراہم کرتی ہے، حضرت جگر

ل ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
ے میں تعمیر کے ساماں ہوتے ہیں

اخبار علمیہ

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کا آرگن ''اخبار تحقیق''، علمی وتحقیقی سرگرمیوں پرمبنی جدید معلومات سے مزین ہوتا ہے، اس کے اپریل۔ جون ۲۰۰۳ء کے شمارے میں بعض علمی وتحقیقی خبریں شایع ہوئی ہیں، قارئین معارف کی ضیافت طبع کے لیے اس کی خاص خبروں کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعہ اسلامی علوم کی تبلیغ وترسیل کا کام نہایت آسان ہوگیا ہے، علم وتحقیق، سائنس وٹکنالوجی کے ہر شعبہ میں ایسے سافٹ ویئر تیار کیے جاچکے ہیں جو وسیع کتب خانوں کی کمی پوری کررہے ہیں، دائرۃ المعارف انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام وغیرہ کی سی ڈی بنادی گئی ہے، مصری اور سعودی ماہرین سافٹ ویئر کی مشترکہ کوششوں سے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اسلام، عربی زبان وادب، سیرت، تراجم اور لغت وغیرہ جیسے اسلامی موضوعات پر تیار کیے گئے مستند سافٹ ویئر کی سی ڈیز انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں، قرآن مجید پر بعض سافٹ ویئر کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

شیخ عبدالرحمٰن السدیس، سعود الشریم، شیخ محمود خصری، شیخ عبدالرحمٰن حذیفی، قاری عبدالباسط وغیرہ کی آوازوں میں تلاوت قرآن کی سی ڈی بہ آسانی مل رہی ہے، اس کے علاوہ علم تجوید و قرأت پر متعدد سافٹ ویئر کے نام یہ ہیں، ۱۔المدخل الی علم القرأت، ۲۔برنامج یعلم الاطفال تلاوت وتفسیر ومعانی کلمات الجزء ۳۰، ۳۔تعلیم احکام التجوید تحفیظ، ۴۔البیان (تجوید ۳۰ جزء)، ۵۔مشاہیر القراء، ۶۔مکتبۃ القرآن الکریم۔

ایرانی، سعودی، مصری، پاکستانی سافٹ ویئر کمپنیوں نے مختلف زبانوں میں قرآن مجید

ے ہیں، ایرانی اداروں کے تیار کردہ سافٹ ویئر کے نام یہ ہیں،
۲۔ سلسبیل، ۴۔ تنزیل، ۵۔ قرآن کی موضوعاتی فہرست تبیان
۷۔ علیم، ۸۔ قدر، ۹۔ نور، ۱۰۔ کوثر، تراجم وتفاسیر پر بعض
ں۔

ت قرآن مجید اور آٹھ زبانوں (عربی، فارسی، ترکی، انگریزی،
ں ترجمے، ۲۔ تلاوت وترجمہ قرآن مجید، ۳۔ اردو زبان کے
آن، کنز الایمان، تفہیم القرآن وغیرہ کی سی، ڈی تیار کی جاچکی
سولانا عبدالماجد دریا آبادی وغیرہ کے انگریزی تراجم کی سی ڈی
فسیروں میں، تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر جلالین وغیرہ کی
آن سے متعلق متعدد سافٹ ویئرز کے نام یہ ہیں:۔
رآن، ۲۔ مکتبۃ القرآن الکریم، ۳۔ اعراب القرآن وغیرہ۔

خ اور مغربی دانش وروں کی طرف سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں
ے نے مغربی یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کی چیرز قایم کی
تہذیبوں کے درمیان رابطہ قایم کرنا اور دین اسلام کو تشدد،
ماری طرز حیات کے طور پر پیش کرنا ہے، ان چیرز میں مطالعہ
رشپ عطا کرتی ہے، کیلیفورنیا یونیورسٹی میں ۱۹۸۴ء میں شاہ
ی گئی ہے کہ اسلام کے بارے میں سائنٹفک مطالعہ وتحقیق کی
ے متعلق متعصبانہ ومعترضانہ تحریروں کے جوابات دیے جائیں،
طالعات اسلامی کے میدان میں سائنٹفک ریسرچ سے فایدہ
ہے، ۱۹۹۳ء میں شاہ فہد نے اس چیر کے لیے پچاس لاکھ امریکی
۱۹۹ء میں لندن یونیورسٹی میں شاہ فہد چیر قائم کی گئی ہے جس کا
ں پر تبادلہ خیال کرنا اور مغربی معاشرے میں اسلام کا تعارف
انسانی تہذیب پر مسلمانوں کے اثرات اور اسلامی تاریخ کے

موضوع پر لیکچر دینے کے لیے دور دراز کے ملکوں کا سفر بھی کرتے ہیں، اس کے لیے شاہ فہد نے ۱۰ لاکھ پونڈ اسٹرلنگ کی امداد دی ہے۔

الفرقان اسلامک ثقافتی فاؤنڈیشن لندن نے مکہ اور مدینہ کے بارے میں ایک دائرۃ المعارف قائم کرنے کا پروگرام بنایا ہے، ۸۵ کے قریب موضوعات طے کیے جاچکے ہیں، جن میں متعدد موضوع پر مقالات تیار ہو چکے ہیں جو طبع واشاعت کے مرحلے میں ہیں، موضوعات طے کرنے کے لیے سعودی، مصری اور ترکی اہل علم کا بورڈ بنایا گیا ہے۔

۴ر تا ۶ر دسمبر ۲۰۰۳ء کو انگریزی، ترکی اور البانی زبانوں میں بلقان کی اسلامی تہذیب وثقافت اور اس علاقہ کی نام ور شخصیات کے فکر وفن پر دوسرا بین الاقوامی سمپوزیم منعقد ہورہا ہے، واضح رہے یہ سمپوزیم TIRANA یونیورسٹی میں البانیہ کی اکیڈمی آف سائنسز اور استنبول کے ادارہ برائے اسلامی تاریخ وثقافت اور ترانہ یونیورسٹی کے اشتراک وتعاون سے منعقد ہوگا مزید معلومات کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کیا جاسکتا ہے، E-Mail: @ Ircica. Org- Fax: 902122584365.

جنوبی کوریا کی راج دھانی سیول میں ماریا بایوٹک انسٹی ٹیوٹ کے سائنس دانوں نے چوہوں کے جسموں میں انسانی جنینی ساق الخلیہ (ایک مخصوص قسم کا خلیہ جو بعض بیماریوں میں پید ہوتا ہے) کو ترقی دینے میں کامیابی حاصل کرلی ہے، اس پروجیکٹ کا نام انہوں نے ہیو۔ ماؤس یعنی انسانی چوہا پروجیکٹ رکھا ہے، اس کے تحت اس بیماری کی نوعیتوں پر قابو پانے کی یہ کوشش بارآور ہورہی ہے، اس پروجیکٹ سے منسلک کم۔ یون یانگ نے بتلایا کہ ہیو۔ ماؤس پروجیکٹ دنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا پروجیکٹ ہے، اس سے پہلے اس طرح کا کوئی پروجیکٹ کبھی سامنے نہیں آیا تھا، ان کے مطابق یہ پروجیکٹ انسانی علاج کے منصوبوں کی تکمیل میں مدد کرے گا، طبی سائنس دانوں کو یقین ہے کہ ساق الخلیہ کا مطالعہ کینسر، شوگر جیسی موجودہ لا علاج بیماریوں اثرات سے محفوظ رہنے اور ان سے متاثر اعضاء کی صحت یابی میں معاون ہوگا۔

• (ماخوذ: ٹائمس آف انڈیا)

ک، ص اصلاحی

اردو یونیورسٹی کے دوخطوط

(۱)

ں کے بی اے، بی ایس سی اور بی کام یا کسی بھی سرٹی فیکیٹ
ں ہے کہ متعلقہ شہر یا علاقے میں یونیورسٹی کا اسٹڈی سنٹر
ں مقیم باشندے بہ ذریعہ ڈاک یونیورسٹی ہیڈ کوارٹر (گچی
منگوا کر داخلہ حاصل کر سکتے ہیں، مختلف علاقوں میں اس
ں لیے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوئی۔
ر اسی وقت قایم کیا جاتا ہے جب وہاں داخلے کی مطلوبہ
ونے کے باوجود اس علاقے سے داخلے کے خواہش مند
اصل کر سکتے ہیں، ایسے طلبہ کو یونیورسٹی ان کے مقام سے
ملک کر دیتی ہے، جہاں وہ امتحانات میں شریک ہو سکتے
سٹڈی سنٹرس پر منعقد ہونے والی کونسلنگ کلاسوں میں
علم کے رہائشی علاقے سے اس کا منسلکہ مقام دور ہے تو وہ
طلبا کو جو کتابیں مہیا کی جاتی ہیں وہ ''خود فہمی و خود وضاحتی''
خود انہیں پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں، اس کے علاوہ یونیورسٹی کی
علم کے دیے گئے پتوں پر راست کی جاتی ہے، داخلے کے

بعد کتابوں کا سیٹ، تفویضات، امتحان سے متعلق اطلاع اور نتایج وغیرہ طالب علم کو انفرادی طور پر ان کے دیے گئے پتوں پر ارسال کیے جاتے ہیں، لہذا کوئی بھی فرد خواہ وہ ہندوستان کے کسی بھی خطے میں رہتا ہو اردو یونیورسٹی کے کورسوں میں داخلہ حاصل کر سکتا ہے۔

دریں اثنا یونیورسٹی میں بی اے، بی ایس سی، بی کام، سال اول اور سرٹی فیکیٹ کورس برائے غذا و تغذیہ اور اہلیت اردو بہ ذریعہ انگریزی اور بہ ذریعہ ہندی اور فنکشنل انگلش میں داخلے جاری ہیں، داخلہ فارم ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ساتھ تمام اسٹڈی اور ریجنل سنٹروں پر بھی دستیاب ہیں، گریجویشن کورسوں میں 2+10 یا اس کے مساوی امتحان کی بنیاد پر راست داخلے اور سب ہی سرٹی فیکیٹ کورسوں میں داخلے کی آخری تاریخ ۱۴ر اکتوبر ہے۔

(۲)

۸ر جولائی ۲۰۰۳ء

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی گچی باؤلی، حیدرآباد کا دوسالہ کورس ڈپلوما ان ایجوکیشن (ڈی ایڈ) کیمپس ایجوکیشن کے تحت صرف حیدرآباد میں چلایا جا رہا ہے، یہ کورس فاصلاتی نظام تعلیم کے تحت دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی ملک کے کسی ادارے کو اس کورس کے لیے فارم فروخت یا وصول کرنے کا مجاز قرار دیا گیا ہے، یونیورسٹی کے رجسٹرار انچارج جناب پی نارائنا کے ایک بیان کے مطابق یونیورسٹی کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بعض غیر مجاز افراد اور ادارے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ڈی ایڈ کورس میں داخلے کے لیے فارم فروخت اور وصول کر رہے ہیں، یونیورسٹی ایسے اداروں اور افراد کے خلاف قانونی کارروائی پر غور کر رہی ہے، اگر کوئی امیدوار یونیورسٹی کے علاوہ کسی ادارے یا فرد سے کوئی معاملہ کرتا ہے تو یونیورسٹی ہرگز اس کی ذمہ دار نہیں ہے، این سی ٹی ای سے منظور شدہ کورس ڈی ایڈ میں داخلے کے لیے یونیورسٹی کی طرف سے نوٹیفکیشن جاری کیا جاتا ہے اور انٹرنس ٹسٹ کی بنیاد پر ہی محدود تعداد میں داخلے دیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر الدین
پبلک ریلیشنز افسر (انچارج)

جناب سید ہاشم علی اختر صاحب

ار جون ۲۰۰۳ء کو جناب سید ہاشم علی اختر شکاگو میں وفات پا گئے،
جعون۔

کے مایہ ناز فرزند، حیدرآباد کے نام ور شخص اور ملک کے بڑے دانش ور
آفاق یونیورسٹیوں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا
حاصل ہوا۔

ر کی پیدائش ۶ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حیدرآباد میں ہوئی تھی، شروع کی تعلیم
یں انہوں نے جامعہ عثمانیہ سے بی ایس سی اور ۱۹۴۴ء میں ایم ایس سی
علم و تعلیم کی طرف تھا، اس لیے شروع میں درس و تدریس ہی کے پیشے
ہائی اسکول میں مدرس ہوئے پھر سٹی کالج میں جونیئر لکچرر ہوئے، مگر
بھی بہ درجہ اتم تھی، اس لیے جلد ہی انتظامی شعبے سے ان کا تعلق ہو گیا
یول سروس کے لیے منتخب ہو گئے، اس کے بعد آئی۔ اے۔ ایس کے
پٹی کلکٹر کے عہدے پر تقرر ہوا جس سے ترقی کرتے ہوئے پرنسپل
ہوئے۔

م و نسق کا اچھا سلیقہ تھا، ایک کامیاب اور نیک نام آئی۔ اے۔ ایس
ڑی عزت و شہرت ملی، سکریٹریٹ کی اچھی کارکردگی اور خوش انتظامی
ونے کے بعد حکومت نے ۱۹۸۲ء میں انہیں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کا
اس کی میعاد مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ۱۹۸۵ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے

وائس چانسلر کے لیے ان کا انتخاب ہو گیا۔

وائس چانسلر کی حیثیت سے ان کی کارکردگی بہت اچھی رہی، علی گڑھ میں ان سے پیش تر جناب سید حامد وائس چانسلر تھے جو ایک بحرانی دور تھا لیکن انہوں نے حالات درست کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت لگا دی، ان کے اصلاحی اقدامات اور عمل جراحی سے فریاد و احتجاج کی آوازیں بھی بلند ہوئیں اور آپریشن کی وجہ سے کراہ اور چیخیں بھی سنائی دیں، ہاشم صاحب اس بہتر اور درست ماحول کو قایم رکھنے میں کامیاب رہے اور جہاں کورکسر اور فاسد مادے رہ گئے تھے ان کو بھی ٹھیک کیا، ان کا دور بڑا پرسکون اور پرامن رہا اور ان سے شاید ہی کسی کو شکایت ہوئی ہو، وہ ایک لایق شخص اور اچھے منتظم تھے، اس لیے ۱۹۸۹ء میں جب اس منصب سے سبک دوش ہوئے تو انہیں مختلف عہدے پیش کیے گئے مگر انہوں نے معذرت کر دی۔

گو ان کو انتظامی امور سے زیادہ سروکار رہا تاہم قلم و قرطاس سے بھی ان کا شغل برابر قایم رہتا تھا، وہ اردو اور انگریزی کے اچھے اہل قلم تھے، انگریزی میں بعض کتابیں بھی لکھیں، ان کا مطالعہ وسیع تھا، مطالعہ سے ان کی دل چسپی تا عمر باقی رہی، ہندوستان کے حالات و مسایل سے باخبر رہتے تھے، ان حالات سے مسلمان کس طرح عہدہ برآ ہوں، اردو زبان کا تحفظ و بقا کیسے ہو، مشترکہ قومی تہذیب اور ہندوستان کا سیکولر مزاج کیسے باقی رہے، جدید عہد کے چیلنج کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، موجودہ حالات میں اسلام کو پیش کرنے کا کیا سائنٹفک انداز اور اس کی شرح و تعبیر کا کون سا منطقی طریقہ کار اختیار کیا جائے، یہ اور اس طرح کے دوسرے امور و مسایل ہمیشہ ان کے زیر غور رہتے تھے اور ان کے متعلق کبھی کبھی وہ اپنے نتایج فکر قوم کے سامنے پیش بھی کرتے تھے جن سے اختلاف بھی کیا جاتا تھا مگر اس میں غلط فہمیوں کا زیادہ دخل ہوتا تھا، ایک مرتبہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری میں اردو رسم الخط کے متعلق کچھ باتیں انہوں نے کہیں تو غلط فہمی کی بنا پر اس کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا گیا۔

ہاشم صاحب نے کئی ادیبوں اور بعض ارباب سیاست پر مضامین اور خاکے بھی لکھے جن کو پسند کیا گیا، اکثر ان کے خطوط بھی ماہنامہ ''سب رس'' میں شایع ہوتے تھے جن سے ان کے علم و مطالعہ کی وسعت، خیالات کی پختگی، تجربات و مشاہدات کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے، ان

ور منجھا ہوا تھا، وہ خاص حیدرآباد کی پیداوار اور پروردہ تھے اس لیے اردو کا
ی شگفتہ اور سلیس زبان لکھتے تھے، ان کی تحریر جامع اور پرمغز ہوتی تھی،
ت دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کے علامہ سید سلیمان ندوی سمینار میں
ں سشن میں اپنا مضمون پڑھنے والا تھا، اس میں وہ میرے پاس ہی بیٹھے
ڑھ کر جب اپنی جگہ پر ان کے پاس بیٹھا تو انہوں نے مقالے کی اور
و بیان کی تحسین فرمائی، وہ اس وقت علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر
ں آنا ہو تو ملاقات ہونی چاہیے، چنانچہ ان کی موجودگی میں جب علی گڑھ
پہلی دفعہ اکیلے جانے میں جھجھک ہو رہی تھی تو اپنے خاص کرم فرما مولانا
ق ناظم سنی دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو لے کر گیا جو وائس چانسلر
ف تھے، وہ مجھ سے بھی بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے اور مختلف
ین پر بھی ہمدردانہ گفتگو فرماتے، ان ملاقاتوں سے میرے دل پر ان کی
ت و کرم اور حسن خلق کا نقش بیٹھ گیا، وہ طبعاً شریف اور متواضع تھے، کبھی
س نہ ہونے دیتے، جو بات ان سے کہی جاتی غور و توجہ سے سنتے، اگر
تو کردیتے، لیکن اگر ان کے امکان میں نہ ہوتا تو لگی لپٹی باتیں کرنے
رت کردیتے، اپنی شرافت اور دل نوازی کی وجہ سے حیدرآباد کے علمی
ول تھے، وہاں کی باوقار مجلسوں میں شریک بھی ہوتے تھے، ان کی
ھ جاتی تھی اور جو بات کرتے اس کا وزن محسوس کیا جاتا تھا۔
ر اداروں سے بھی ان کا تعلق تھا، دارالمصنفین سے بھی ان کو ہمدردی
ر و ادبیات سے ان کا برابر گہرا تعلق رہا، اس کے بڑے بڑے عہدوں
اس کے معتمد منتخب ہوئے، ۱۹۸۲ء میں نائب صدر مقرر کیے گئے اور
ب کیے گئے اور ۱۹۹۴ء میں امریکہ جانے سے قبل تک اس عہدے پر
سنہرا دور تھا، اس میں اس کے کئی اہم کام انجام پائے، ادارے کے
ے گرانٹ ملی جس سے میوزیم کی از سر نو تنظیم میں بڑی مدد ملی، یوم

محمد علی قطب شاہ اور یوم محی الدین قادری زور کی سالانہ تقاریب دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں "سب رس کتاب گھر" کا قیام عمل میں آیا اور ادارے کے مختلف شعبوں کا احیا اسی دور میں ہوا جس سے اس کی کارکردگی میں بڑا اضافہ ہوا، امریکہ جانے سے قبل ہاشم صاحب نے ایوان اردو کے بالائی ہال کی تعمیر کے لیے اپنی جیب سے دس ہزار روپے دیے اور کتب خانے کو اپنی پانچ سو کتابیں بھی مرحمت فرمائیں۔

امریکہ چلے جانے کے بعد گو ادارے سے ان کا ضابطے کا تعلق ختم ہوگیا تھا تاہم ادارے اور حیدرآباد میں ان کا دل اٹکا ہوا تھا، ہر وقت ان کی یاد تڑپاتی رہتی تھی، خطوط سے اس کے حالات معلوم کرتے اور حیدرآباد کے لوگوں کی خیریت دریافت کرتے، ادارے کی سرگرمیوں سے واقف ہوتے اور اس کی ترقی کے لیے اپنے مفید مشورے پیش کرتے رہتے تھے۔

ہاشم صاحب کو حیدرآباد اور اس کی مخصوص تہذیب سے عشق تھا، اسے چھوڑنا گوارا نہیں تھا مگر اہلیہ محترمہ کی وفات کے بعد بالکل ٹوٹ گئے تھے، یہاں بالکل تنہا رہ گئے تھے اس پر پیری اور بیماری، مجبوراً شکاگو دو صاحب زادیوں کے پاس چلے گئے، صاحب زادے لاس اینجلس میں تھے، باپ کی بیماری کی خبر سن کر شکاگو آگئے، ہاشم صاحب کی علالت کا سلسلہ عرصے سے چل رہا تھا بالآخر وقت موعود آگیا وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

ڈاکٹر ابن فرید

۸/مئی ۲۰۰۳ء کو اردو کے ممتاز ادیب و نقاد اور اچھے افسانہ و ناول نگار ڈاکٹر ابن فرید کا انتقال ہوگیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر ابن فرید کا اصل نام محمود مصطفیٰ صدیقی تھا، وہ ضلع بارہ بنکی میں سترکھ کے قریب کے ایک گاؤں ظفر پور میں ۲۸/اکتوبر ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے تھے لیکن ان کی زندگی کا زیادہ حصہ علی گڑھ میں گزرا، آخر میں رام پور میں متوطن ہوگئے تھے، بیمار ہونے پر علی گڑھ میڈیکل کالج میں

اجل آگیا، وہاں سے ان کا جسد خاکی ان کے وطن ظفر پور لایا گیا، ۹ر
آبائی قبرستان میں سپرد خاک کردیے گئے۔

حالات بہتر نہیں تھے، ہائی اسکول کرنے کے بعد تعلیم چھوڑ کر رائل
ت کرلی، یہ سلسلہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک جاری رہا، یافت کے لحاظ
ن کو پسند نہیں تھی، وہ اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتے تھے، ٹیوشن سے کام
لی گڑھ لے گیا، نفسیات میں داخلہ لیا، اس میں، انگریزی اور عمرانیات
یں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔

سے معلمی کے پیشے سے وابستہ ہوئے، مرکزی درس گاہ اسلامی رام پور
لی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تعلیمات و عمرانیات میں لکچرر ہوئے،
ہ میں بھی درس و تدریس کی خدمت پر مامور رہے، ریٹائر ہونے کے
بین الاقوامی یونیورسٹی ملیشیا نے ان کی خدمات حاصل کرنی چاہی مگر
ی وجہ سے معذرت کردی۔

ت اسلامی ہند سے تھا، اس تحریک سے وابستگی کی وجہ سے ان کے
ح و فکر رچ بس گئی تھی اور تقریباً نصف صدی تک ان کا قلم اسلامی فکر و
ر جماعت اسلامی کے ادبی محاذ کو قوت اور فیضان پہنچاتا رہا، وہ ادارۂ
اور ایک مدت تک اس کے صدر رہے، انہوں نے جو کچھ لکھا اس پر
اپ رہی، کبھی خدا بیزار، خالص مادی، مغرب زدہ اور فحش و عریاں
ی سکا اور نہ وہ اشتراکی کوچہ گردوں کے پھندے میں پھنسے بلکہ ستایش
دب میں طہارت اور پاکیزگی کے تصور کو فروغ دیا۔

ختلف اصنافِ ادب میں اپنے نقوش چھوڑے ہیں، بچوں اور خواتین
ز رہا ہے، تنقید و تحقیق میں بھی انہوں نے اپنا جوہر دکھایا ہے لیکن ان
نگاری کی طرف تھا، اس میدان میں بڑی لالہ کاری کی ہے، ابھی
سے متاثر ہوکر انہوں نے اپنے افسانوں کا ایک مجموعہ ''خوں آشام''

کے نام سے شائع کیا تھا۔

اردو کی طرح انگریزی پر بھی قدرت تھی، دونوں زبانوں میں چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں لکھی ہیں، ان کی بعض اردو کتابوں پر اتر پردیش اردو اکادمی اور میر اکیڈمی لکھنؤ نے ایوارڈ بھی دیا ہے۔

ابن فرید صاحب کی ادبی خدمت کا ایک میدان صحافت بھی تھا، ان کی ادارت میں متعدد رسالے نکلے جو اپنے دور کے ممتاز ادبی رسالوں میں شمار کیے جاتے تھے اور جن سے اسلامی ادبی تحریک کو بڑی توانائی ملی، معیار (میرٹھ) اور نش کے شریک مدیر تھے، لیکن نئی نسلیں (لکھنؤ) اور ادیب (علی گڑھ) کے وہ چیف اڈیٹر تھے، بعض انگریزی رسالوں کی بھی ادارت انہیں سپرد کی گئی، انڈین جنرل آف سوشل سسٹم کے شریک مدیر تھے اور ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۵ء تک انگریزی جنرل آف آبجکٹیو اسٹڈیز کے فاؤنڈر اڈیٹر تھے۔

ان کی اہلیہ ام صہیب نے جن کا اصلی نام احمدی خاتون تھا، خواتین کے لیے ماہنامہ حجاب نکالا، آخری ایام میں ابن فرید صاحب بھی اس کے ادارتی و انتظامی امور میں اپنی اہلیہ کا ہاتھ بٹاتے تھے، ان کا انتقال ہوگیا تو ابن فرید صاحب نے اسے بند کردیا۔

ادیب کو وہ برسوں بڑی محنت سے ایڈٹ کرتے رہے، یہ جامعہ اردو علی گڑھ کا رسالہ تھا جس میں اس کے نصاب وغیرہ سے متعلق زیادہ مضامین ہوتے تھے تاہم یہ ادبی نگارشات پر بھی مشتمل ہوتا تھا، اس کے کئی خاص نمبر بھی شایع ہوئے جن میں ''شبلی نمبر'' بہت اہم اور ایک یادگار چیز ہے جو حوالے کا کام دیتا ہے، انہوں نے اس کے لیے اس زمانے کے اکثر مشاہیر کے مضامین حاصل کیے تھے اور خود بھی بہت اچھا مضمون ''شبلی چوں بہ خلوت می روند'' لکھا تھا جو اگرچہ غیر جانب دارانہ اور معروضی تھا مگر مولانا شبلیؒ کے خاص نکتہ چیں شیخ محمد اکرام جب لاہور سے ہندوستان آئے اور علی گڑھ گئے تو وہ ابن فرید صاحب سے ملنے ان کی قیام گاہ پر پہنچ گئے اور مضمون کے بعض نکات کے متعلق بعض وضاحتیں طلب کیں۔

میری ان کی ملاقات اس زمانے کی ہے جب ۱۹۷۸ء میں ہم دونوں اتر پردیش اردو اکادمی کے ممبر تھے، میری نظر سے ان کے ادبی و تنقیدی مضامین گزرتے تھے، وہ صالح ذہن

ادیب، نقاد اور افسانہ نگار تھے، لیکن اس کی وجہ سے اور عام ادبی دھارے اور
لگ تھلگ رہنے کی وجہ سے رائج الوقت ادیبوں نے ان سے کوئی خاص اعتنا
پنے حلقہ فکر کے ادیبوں میں مقبول تھے اور اس حلقے میں ان کا ادبی وزن تسلیم کیا
ں جا چکے ہیں جہاں صرف اچھے اعمال کا ذخیرہ ہی کام دیتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں
ے اور ان کے اعزہ واحباب کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

جناب ابوالفیض سحر

ایک اور اچھے شاعر و ادیب اور اردو تحریک کے خاموش مگر سرگرم اور مخلص
ابوالفیض سحر ۲۲ر جون کی شب میں حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات
وا ۱۱ بجے دن میں بستی حضرت نظام الدین میں واقع قبرستان میں دہلی کے شعرا
شیر تعداد کی موجودگی میں سپرد خاک کر دیے گئے۔

یک تھے، انتقال کے روز نوئیڈا میں جناب رفعت سروش کے گھر ایک تقریب
گئے تھے، شام کو واپس آئے تو کچھ بے چینی محسوس کی، رات تک طبیعت زیادہ
ں میں داخل کیے گئے جہاں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، ان کی صحت
سے پہلے بھی ایک بار دل کا دورہ پڑ چکا تھا، یہ دوسرا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔

ب مارن پیٹ ضلع محبوب نگر (آندھرا پردیش) میں ۱۹ر فروری ۱۹۳۷ء کو ایک
پیدا ہوئے تھے، محبوب نگر ہائی اسکول کے اردو میڈیم اسکول سے میٹرک کیا،
حیدرآباد گئے، چادر گھاٹ کالج سے انٹر کیا اور کالج میگزین کے اڈیٹر ہوئے،
حیدرآباد کے آرٹس کالج سے بی۔ اے کیا، ٹیوشن سے تعلیمی اخراجات پورا
ے کرنے کے بعد حیدرآباد کے ایک قدیم اور مشہور اسکول اشرف المدارس
ری یہ ملازمت چھوڑ کر ایم۔ اے کرنے کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لیا، مجلہ
وئے، اسی زمانے میں انہیں ماہر لسانیات پروفیسر مسعود حسین خاں سے تلمذ کا
صاحب کو ان کے اخلاص اور اردو سے دل چسپی کی بنا پر بہت عزیز رکھتے تھے،

باگاریڈی صاحب سے بھی سحر صاحب ان کی اردو دوستی کی وجہ سے بہت قریب ہو گئے تھے، ایم اے کرنے کے بعد سحر صاحب باگاریڈی کے قایم کردہ اردو میڈیم اسکول میں ٹیچر ہو گئے مگر ان کے شفیق استاد مسعود حسین خاں کو ان کی استعداد اور اچھی صلاحیت کی بنا پر یہ ملازمت پسند نہیں تھی، ان کی کوشش سے سحر صاحب کو دلی میں یونین پبلک سروس کمیشن میں اردو مترجم کی جگہ مل گئی، لیکن اردو سے دل چسپی کی بنا پر انہیں خود یہ ملازمت پسند نہیں تھی، چنانچہ جب مرکزی حکومت نے اردو کی ترقی کے لیے ترقی اردو بیورو قایم کیا جواب قومی کونسل برائے فروغ اردو کہلاتا ہے تو اس میں ملازمت کر لی اور ترقی کر کے پرنسپل پبلی کیشن آفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے اور اسی سے سبک دوش ہوئے، اس تقریب سے وہ حیدرآباد چھوڑ کر دلی آئے تو اسی کو اپنا وطن بنا لیا اور یہیں کے ہو کر رہ گئے لیکن حیدرآباد بھی آتے جاتے رہتے تھے۔

جناب ابوالفیض کو اردو زبان سے عشق تھا، طالب علمی کے زمانے ہی سے وہ اردو تحریکوں سے وابستہ رہتے تھے، انجمن ترقی اردو سے والہانہ تعلق تھا، اس کی ہر تقریب اور پروگرام میں شریک ہوتے اور اس کے کاموں میں بہت پیش پیش رہتے، انجمن کے صد سالہ جشن کو کامیاب بنانے میں انہوں نے رات دن ایک کر دیا تھا، اس کے آخری جلسے میں شکریے کی رسم بھی ادا کی، انجمن کے ذمہ داروں کے ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹانے اور اس سے غیر معمولی خلوص اور دل چسپی کی بنا پر وہ اس کے رکن منتخب کر لیے گئے تھے، میری ان کی ملاقات انجمن کے سمیناروں ہی میں ہوئی تھی۔

ان کی پوری زندگی اردو زبان و ادب کی بے لوث خدمت اور ادبی سرگرمیوں میں گزری، وہ اردو کے مختلف اداروں کی خدمت اعزازی طور پر انجام دیتے تھے، ہر کام بڑے خلوص، دل چسپی، خاموشی اور محنت و جاں فشانی سے کرتے تھے، شہرت، مقبولیت اور صلہ و ستایش کی تمنا سے بے نیاز ہو کر اسے اپنا فریضہ سمجھتے تھے، طبیعت میں بہت انکسار تھا اس لیے کبھی اس کا فخریہ ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

جناب ابوالفیض اردو کے صحافی، مترجم، ادیب اور نقاد تھے، تحقیق و تنقید و تبصرہ میں وہ تعصب اور جانب داری کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کا رویہ معقول، حق پسندانہ اور معتدل و متوازن ہوتا تھا، خوش کلام شاعر بھی تھے، نثر نگاری کے کمال سے ان کی شاعری دب گئی تھی،

ر انہوں نے کئی کتابیں لکھیں، خلا میں پہلا ہندوستانی، تناظر اور
باحث اردو دنیا میں مقبول ہوئیں، ان کے بعض تنقیدی کام مرکز توجہ
ساتھ مل کر ''خسرو شناسی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے کئی
مختلف رسالوں اور اخباروں میں مضامین بھی لکھتے تھے، تیلگو اور
مین لکھے۔

قرر تھے، زمانہ طالب علمی ہی سے ان میں تقریر کی اچھی صلاحیت
ں اور تقریبات میں شریک ہوتے، سمینار میں مقالے تو پڑھتے ہی،
ہوں نے خود بھی کئی بڑے سمینار کرائے، حیدرآباد جاتے تو ان کے
و تقریر کرتے۔

شعرا مذہب سے بے تعلق اور بے گانہ ہوتے ہیں، انہیں قومی و ملی
ہوتا، لیکن جناب ابوالفیض سحر صوم و صلاۃ کے پابند تھے، متعدد
سے وابستہ ہونے کے باوجود آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے بھی
م سے قومی و ملی مسایل حل کرنے کے لیے فکرمند رہتے تھے۔

ر خلوص و محبت کا پیکر، ایک شریف، نیک نفس، خلیق اور ملنسار انسان
جلنے والوں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے، انہیں کبھی شکایت کا
شکنی نہ کرتے، ہنسی اور بے تکلفی کی بات بھی کرتے تو دوسروں کے
ں تکلیف پہنچانے والی بات نہ کرتے، ان کی سب سے بڑی خوبی
ں کے ادب و احترام اور عزتِ نفس کے خیال میں مجسم انکسار اور
ت و برتری کا کبھی اظہار نہ کرتے، ان میں کبر اور گھمنڈ کا شائبہ نہ تھا،
ر دلی دونوں کی تہذیب و شرافت اور وضع داری جمع ہوگئی تھی، وہ اپنی
ب اور بے داغ زندگی کی وجہ سے دلی اور حیدرآباد دونوں جگہ مقبول
جنت الفردوس نصیب کرے اور اعزہ و احباب کو صبر و تسلی بخشے، آمین۔

''ض''

ادبیات

دو غزلہ

غزل (۱)

از جناب وارث ریاضی صاحب☆

یہ حسنِ کرم ہے مری بے بسی کا — کہ احساں نہیں کوئی مجھ پر کسی کا
رہ غم میں ہر گام پر امتحاں ہے — وقار ذ تحمل کا سنجیدگی کا
اُسی کو ہے جینے کا حق اِس جہاں میں — جسے لطف آتا ہے غم میں خوشی کا
سلامت ہے غم تو سلامت ہے سب کچھ — بھلا ہو الٰہی! غم زندگی کا
مری جاں! ترے غم سے یوں ربط دل ہے — تعلق ہے شبنم سے جیسے کلی کا
ہنسی سے تری رشتۂ والہانہ — مرے زخم دل کا، گلوں کی ہنسی کا
کبھی ربطِ محکم، کبھی ربطِ نازک — تری بے رخی سے مری بے خودی کا
کبھی لطف آیا وفا کا جفا میں — کبھی دوستی میں مزا دشمنی کا
نہیں ہے مجھے شوق صحرا نوردی — سب کچھ تو ہے میری دیوانگی کا
نہ ہوگا کبھی اس کے گھر میں اجالا — یقیں جس کو ظلمت پہ ہے روشنی کا

بھرم کھل گیا اس کی محفل میں وارث
تری عقل و دانش، تری شاعری کا

غزل (۲)

تسلط ہے دنیا میں دانش وری کا — جو علم و ہنر کا ہے، سب کچھ اسی کا

☆ کاشانۂ ادب، سکٹا (دیوراج)، ڈاک خانہ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار

سمجھ میں نہ آیا سبب برہمی کا
عناد و تعصب کا ، غارت گری کا
برا ہو تری قوتِ عسکری کا
خدا تجھ کو دے گا صِلا سرکشی کا
کہ یکساں زمانہ رہا کب ، کسی کا ؟
ہوا ہے کب انجام اچھا بدی کا
مگر کچھ نہیں اس میں کُن آدمی کا
محبت کا اخلاص کا ، راستی کا
نہیں کوئی ہم سر ہمارے نبیؐ کا
ن پر ہے فیضان وارث
آزاد کی شاعری کا

ارج ڈبلیو بُش کی طرف جس نے عراق کو تباہ کر کے یہ ثابت
(وارث)۔

شبلی (اردو)

علامہ شبلیؒ

تھے، فارسی ہی نہیں ان کی اردو شاعری بھی بلند پایہ
کی ابتدا ان ہی نے کی، یہ ان کی تمام اردو نظموں
ام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، قومی اور تاریخی نظمیں

قیمت : ۲۵ روپے

مطبوعات جدیدہ

EPISTLES (مکتوبات امام ربانیؒ جلد اول): ترجمہ و تعلیق: جناب شیخ محمد وجیہ الدین القاری المقری، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت بہترین، مجلد، صفحات: ۳۰۹، قیمت درج نہیں، پتہ: انسٹی ٹیوٹ آف نقش بندی مجددی ورکس، پی۔ بلاک، مرغ زار کالونی، ملتان روڈ، لاہور۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شروع سے اہل فکر و نظر کے لیے سرمہ و سرمایہ بصیرت ہیں، خواجہ باقی باللہ، شیخ فرید بخاری، عبدالرحیم خان خاناں اور دیگر امرا، حکما، علما اور طالبان علم کے نام ان مکتوبات میں تصوف کی اصلاح و تجدید اور اس راہ میں واردات و مشاہدات کی ایک دنیا آباد ہے، خود امام صاحب کے حالات اور ان کی تجدیدی مساعی کا یہ مستند ماخذ ہیں اور اس ضمن میں ان کے عہد کی تمدنی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی تاریخ کا بھی اہم مرجع ہیں، مکتوبات کے افادی تنوع کا اندازہ مولانا سید سلیمان ندوی کے ایک خط بنام مولانا دریابادی سے ہوتا ہے کہ "یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ برکلے کی تھیوری حرف بہ حرف مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں موجود ہے، صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے" علامہ اقبال کے خطبات میں بھی افکار امام کی جھلکیاں ملتی ہیں، ان مکتوبات کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے، اب زیر نظر کتاب کے مکتوبات کی پہلی جلد کے ۲۱۳ خطوط کو بڑے اہتمام سے انگریزی میں منتقل کیا گیا ہے، شروع میں فاضل مترجم کے قلم سے عمدہ مقدمہ ہے جس میں حضرت مجدد کی شخصیت، امتیاز اور خصایص کو جامع اختصار سے بیان کیا گیا ہے، انگریزی داں قارئین کے لیے نقش بندی مجددی سلسلے اور صوفیانہ اصطلاحات کی تشریح بھی ہے، جا بہ جا مفید حواشی دیے گئے ہیں، مثلاً پہلا ہی مکتوب جو اسم ظاہر کے مناسب احوال اور عروج توحید، درجات

کے مراتب کے بیان میں ہے، اس کے حاشیے میں ایک نقشے کے ذریعے
کان کے مراتب کو ظاہر کیا گیا ہے، ترجمہ کی افادیت میں شبہ نہیں، البتہ
ف اور خود فاضل مترجم کے مختصر حالات کی تشنگی کا احساس ہوتا ہے، کتاب
ل رشک ہے۔

RESISTANCE AND MODERNIZATION UND

ALI & TI: مرتبہ: جناب پروفیسر عرفان حبیب، متوسط تقطیع، عمدہ
ر، صفحات: ۲۵۵، قیمت ۲۲۰ روپے، پتہ: تلیکا (Tulika) ۳۵ الے ۱/،
ئی دہلی۔۴۹۔

رخ میں ۴ رمئی ۱۷۹۹ء اس لحاظ سے یوم سیاہ ہے کہ عین اسی روز برطانوی
ن کا آخری قلعہ، سرنگا پٹم کی شکل میں مسمار ہوا تھا، ٹیپو سلطان کی شہادت
و تسلط کی راہ آسان ہوئی، لیکن زیر نظر کتاب کی مقدمہ نگار اور انڈین
ں محترمہ شیریں موسوی کے الفاظ میں یہ سانحہ کم افسوس ناک نہیں کہ دو
۱۹۹ء میں یہ دن قوم اور قائدین کی بے حسی کی نذر ہوگیا، ایک عظیم قربانی
ڈین ہسٹری کانگریس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس داستان شجاعت و غیرت
نے دے گی، اسی عزم کا ایک مظہر زیر نظر کتاب ہے، جس میں حیدر علی اور
س کے سالانہ ترجمان میں شایع ہونے والے مضامین اور دوسرے
کے منتخب مقالات کو یکجا کر کے پیش کیا گیا ہے، فاضل مرتب خود مشہور
نتخاب اور سلیقۂ ترتیب کے لیے کافی ہے، چنانچہ ان دونوں حکمرانوں
ت، سیاسی بصیرت، بین الملل تعلقات، کار تجدید، فوجی ساز و سامان
ی ترقی جیسے موضوعات پر نہایت پر از معلومات اور مفید مباحث سے
ستاویز تیار ہوگئی، فاضل مرتب کا بسیط مقدمہ بہ جائے خود ایک بہترین
نے اس مجموعہ کا عطر پیش کرنے کے ساتھ حقایق پر نظر کرنے کی راہ
یر نظر قطعی معروضی اور غیر جذباتی ہے، حیدر علی کی قوت و عزیمت کے

سرچشمے کی شناخت ہو یا ٹیپو سلطان کی مذہبی حمیت و غیرت کی فراوانی کی بات ہو، انہوں نے حقیقت کی ترجمانی ہی کی ہے کہ ہندوؤں کے جذبات اور ان کے مذہبی و سیاسی مفادات کے پاس و لحاظ میں ان دونوں حکمرانوں نے کبھی کوتاہی نہ برتی، رعایا کی رعایت و حفاظت اور ان کی خوش حالی و بہبودی ہی ان کے مدنظر رہی اور حسن نیت اور صدق عمل نے ان دونوں کو عام محبوبیت و مقبولیت عطا کی، ان دونوں بیدار مغز حکمرانوں نے جدید تکنیک کی اہمیت محسوس کی، حیدر علی کے اسلحہ خانوں کی بندوقیں، معیار میں کارخانہ یورپ کی ڈھلی بندوقوں سے کم نہ تھیں، ٹیپو سلطان اس معاملہ میں اپنے والد سے زیادہ متحرک و متفکر تھے، فاضل مرتب نے ایک طویل بحث کے بعد لکھا ہے کہ کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ "ٹیپو سلطان ایسا مخترع بادشاہ تھا جس نے کوئی بہتری اور ترقی نہیں دکھائی یا جس کا مقصد اپنے ملک کی درستگی سے زیادہ صرف اپنی رعایا کو مرعوب کرنا تھا" اس عمدہ اور مفید کتاب کی اشاعت کے لیے انڈین ہسٹری کانگریس یقیناً داد و ستایش کی مستحق ہے۔

بیسویں صدی کی اردو شاعری: انتخاب و ترتیب: جناب اوصاف احمد، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۷۷۸، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: انجمن ترقی اردو ہند، اردو گھر، ۲۱۲۔ راؤز ایونیو، نئی دہلی۔۲۔

بیسویں صدی کا اختتام ہوا تو مختلف میدانوں میں قرن گذشتہ کی کارگزاری، ناکامی اور جستجو و یافت کے حساب اور جائزے کی فکر ہوئی، زیر نظر کتاب بھی اسی مقصد سے مرتب کی گئی ہے کہ گذشتہ سو سال کی اردو شاعری کے بہ تدریج تغیر، ترقی یا تنزل کا ایک مستند آئینہ و پیمانہ فراہم ہو جائے، اردو شاعری کی وسعت، کثرت اور ثروت کے پیش نظر انتخاب کا یہ عمل آسان نہیں، خصوصاً فرد واحد کے لیے یہ مشکل بڑی سخت ہے، لیکن لایق مرتب سزاوار تحسین ہیں کہ انہوں نے یہ مرحلہ بہ خیر و خوبی سر کر لیا، ضخامت کی دشواری کی وجہ سے دائرۂ انتخاب صرف غزل اور نظم تک محدود رہا حالاں کہ مرتب کو یہ احساس تھا کہ اصولاً تمام اصناف سخن کی نمایندگی ہونا چاہیے، اس کمی کی تلافی، قریب ہر مکتب فکر کی شاعری کے انتخاب سے کی گئی، بعض شعرا غیر معروف اور کم درجے کے ہیں جب کہ شعری بھوپالی، سکندر علی وجد اور نشور واحدی جیسے شعرا اس ایوان میں بار نہ پا سکے لیکن یہ کسی بھی انتخابی عمل کا ناگزیر المیہ ہے، ابتدائی تحریروں میں مکتبۂ فکر اور منتخب شدہ

ی ادبی خدمات: از ڈاکٹر محمد طاہر، متوسط تقطیع، کاغذ وطباعت
صفحات: ۲۴۶، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: ڈاکٹر محمد طاہر، شعبۂ اردو، شبلی
م گڑھ۔

ح نگاری کی صنف ہر دور میں قد آور ادیبوں کی وجہ سے سربلند رہی،
ح نگاروں سے سرخ رُو ہے، ان میں مشتاق احمد یوسفی بھی ہیں جن
ے مطالعے کی صلاحیت، زبان پر قدرت، اسلوب کی جدت اور بلند
ہے، ان کی کتابوں کی مقبولیت بھی قابل رشک ہے، اس کتاب
ن واسلوب کا بڑی محنت، دقت اور دیدہ ریزی سے مطالعہ کیا اور
میٹنے کی کوشش کی، اصلاً یہ مقالۂ تحقیق ہے، چنانچہ اولاً تو طنز ومزاح
ح نگاروں کا ایک جائزہ لیا گیا، بعد کے ابواب میں مشتاق یوسفی کی
یب ہر پہلو کا تجزیہ کیا گیا ہے، اردو کے چند ممتاز مزاح نگاروں
مصنف کی نظر میں یوسفی کا اسلوب اور فن اس درجہ ممتاز ومنفرد ہے
ے اثر کی تلاش بھی کارعبث ہے اور یہ کہ یوسفی کا فن رشید احمد صدیقی
میں ایسے قولِ فیصل مناسب نہیں، اردو مزاح نگاروں میں تخلص
اردو مزاح کو چند یادگار کردار عطا کیے ہیں، اس اچھی کتاب میں

کٹر ایم نسیم اعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات: ۱۰۸،
یلہ پبلی کیشنز، ڈومن پورہ (کساری)، مئوناتھ بھنجن یوپی اور مکتبہ

صنف تعلیم وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں لیکن یہ وابستگی محض
ی ہے کہ تعلیم اصلاً کارپیمبرانہ ہے اور مقصد اس کا مردم سازی ہے
سوزی وجگر کاوی کا بھی متقاضی ہے، ان سے یہ سچائی بھی چھپی

نہیں کہ موجودہ نظام تعلیم، نئی نسل کی صحیح رہنمائی سے قاصر ہے، وہ وقتاً فوقتاً اپنے جذبات کا اظہار قلم کے ذریعہ کرتے رہے، اس کتاب میں ایسی کئی تحریروں کو یکجا کردیا گیا ہے، تعلیم، امتحان، بدلتی قدریں، بنیادی اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیم، حصول تعلیم کے لیے بڑھتے مصارف اور صنف نازک جیسے موضوعات پر ان تحریروں میں تجربہ اور فکر کی آمیزش نے افادیت پیدا کردی ہے، اردو اور مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کے متعلق فکر اور دردمندی نمایاں ہے، تعلیمی مسایل سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

سلام وپیام (جلد اول): مرتب جناب امین بخارا، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۲۷۰، قیمت ۲۰۰ روپے، پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی اور مکتبہ جامعہ، دہلی۔

جناب جگن ناتھ آزاد کی کتابوں اور خود ان کی شخصیت سے متعلق کتابوں کا ایک سلسلہ، زندہ رود کی مانند رواں دواں ہے، ان کی پوری زندگی علم وفن اور اصحاب فن سے تعلق اور وابستگی سے عبارت ہے، زیر نظر کتاب کا تعلق اسی گوشے سے ہے جس میں سینکڑوں معاصرین کی تحریری ملاقاتیں خطوط کی شکل میں یکجا کی گئی ہیں، قدرتاً اس قوس قزح میں سب سے نمایاں رنگ اقبالیات کا ہے، اکثر خطوط میں اسی حوالے سے گفتگو ہوئی ہے اور بے ساختگی میں بعض خطوط میں دل کی باتیں اس طرح نوک قلم پر آگئی ہیں کہ احتیاط اور مصلحت کے حجابات اٹھ کر رہ گئے، لیکن خطوط کی بڑی تعداد نجی معاملات سے متعلق ہے جن میں دوسروں کے لیے دل چسپی کا سامان کم ہے، ایسے خطوں کو نظر انداز کرنا ہی بہتر تھا، لایق مرتب نے حواشی کا اہتمام بھی کیا ہے لیکن کہیں کہیں تشنگی کا احساس ہوتا ہے، مثلاً مالک رام کے ایک خط میں ہے کہ ''وہ مولانا دریابادی والے معاملہ کا کیا ہوا؟'' یہاں وضاحت ضروری تھی، عبدالقوی دسنوی کے متعلق یہ لکھنا درست نہیں کہ وہ برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال کے شعبہ اردو کے صدر رہ چکے ہیں، اسی طرح وارث ریاضی کو علی گڑھ کے شعبہ فارسی کا وظیفہ یاب صدر لکھنا بھی درست نہیں۔

سلسبیل: از جناب تابش مہدی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع خوبصورت گرد پوش
صفحات: ۱۱۲، قیمت ۶۰ روپے، پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو،

اور پاکیزہ نعتیہ مجموعے کے شاعر، بامقصد اور پراثر سخن گوئی کے لیے
ن کی شاعری کا اصل محور ہے، ان کے نزدیک یہ دماغ سے زیادہ دل کا
سے محبت وعقیدت کے والہانہ اظہار میں حدادب کا پاس ولحاظ اور
ضروری ہے، خوشی ہے کہ شاعر نے اس نزاکت کو ملحوظ رکھا ہے اور شاید
ایک کیفیت ہے، نعتوں کے علاوہ حمد اور متعدد منقبتیں بھی ہیں اور یہ سب

دھوپ: از جناب نوشاد علی سید، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت،
قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: علی سنز پبلی کیشنز، جامعہ نگر، اوکھلا، دہلی۔

وعۂ کلام بہ ظاہر ایک کم نام شاعر کے جذبات واحساسات کا آئینہ ہے
عطا کرنے کی صلاحیت ہر شعر سے نمایاں ہے، وہ نئی نسل کے شاعر ہیں،
ت کا کرب ان کے اشعار میں خاص طور پر محسوس ہوتا ہے، آگ اور دھوپ
ن کے اظہار کی داستان سناتے ہیں، غزل کے سانچے میں انہوں نے
ی کامیابی سے ڈھال دیا ہے، یہ اشعار دراصل ان کی آپ بیتی ہیں۔
میں غرق رہ جاتی اگر نہ صدقہ ملا ہوتا نور کا تیرا
سلامت فکر بھی متعین ہو جاتی ہے۔

وودوم): از جناب عطاء اللہ خاں امنی، متوسط تقطیع، کاغذ وطباعت
۳۰، ۳۲ روپے، پتہ: مکتبہ مہر، ۱۳۵۶، شیخ کالونی رسول آباد، کھاڑی پار

کے طلبہ کے لیے عقیدہ واخلاق، سیرت طیبہ اور عربی زبان کے اسباق
ن زبان میں ضروری معلومات اور مشق کے لیے مرتب کی گئی ہے، تعلیمی
سکتی ہے۔

ع۔ ص

علامہ شبلی نعمانیؒ کی تصنیفات

Rs	Pages	مصنف	کتاب
190/-	512	علامہ شبلی نعمانی	۱۔ سیرۃ النبیؐ اول (مجلد اضافہ شدہ کمپیوٹرائیڈیشن)
190/-	520	علامہ شبلی نعمانی	۲۔ سیرۃ النبیؐ دوم (مجلد اضافہ شدہ کمپیوٹرائیڈیشن)
30/-	74	علامہ شبلی نعمانی	۳۔ مقدمہ سیرۃ النبی
85/-	146	علامہ شبلی نعمانی	۴۔ اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر
95/-	514	علامہ شبلی نعمانی	۵۔ الفاروق (مکمل)
120/-	278	علامہ شبلی نعمانی	۶۔ الغزالی (اضافہ شدہ ایڈیشن)
65/-	248	علامہ شبلی نعمانی	۷۔ المامون (مجلد)
130/-	316	علامہ شبلی نعمانی	۸۔ سیرۃ النعمان
50/-	324	علامہ شبلی نعمانی	۹۔ الکلام
35/-	202	علامہ شبلی نعمانی	۱۰۔ علم الکلام
65/-	236	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۱۔ مقالات شبلی اول (مذہبی)
25/-	108	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۲۔ مقالات شبلی دوم (ادبی)
32/-	180	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۳۔ مقالات شبلی سوم (تعلیمی)
35/-	194	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۴۔ مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)
25/-	136	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۵۔ مقالات شبلی پنجم (سوانحی)
50/-	242	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۶۔ مقالات شبلی ششم (تاریخی)
25/-	124	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۷۔ مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)
55/-	198	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۸۔ مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری)
35/-	190	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۹۔ خطبات شبلی
40/-	360	مولانا سید سلیمان ندوی	۱۹۔ مکاتیب شبلی (اول)
35/-	264	مولانا سید سلیمان ندوی	۲۰۔ مکاتیب شبلی (دوم)
80/-	238	علامہ شبلی نعمانی	۲۱۔ سفر نامہ روم ومصر وشام

۲۲۔ شعر العجم (اول ص320 قیمت-/50) (دوم ص276 قیمت-/70) (سوم ص192، قیمت-/35)
(چہارم، ص290، قیمت-/45) (پنجم، ص206، قیمت-/38) (کلیات شبلی (اردو)، ص124، قیمت-/25)